معارف القرآن
اقرأ
القرآن
معارف
باسم ربك الذي خلق
خلق الإنسان
من علق اقرأ وربك الأكرم الذي علم بالقلم
علم الإنسان ما لم يعلم
قاضی اطہر مبارکپوری
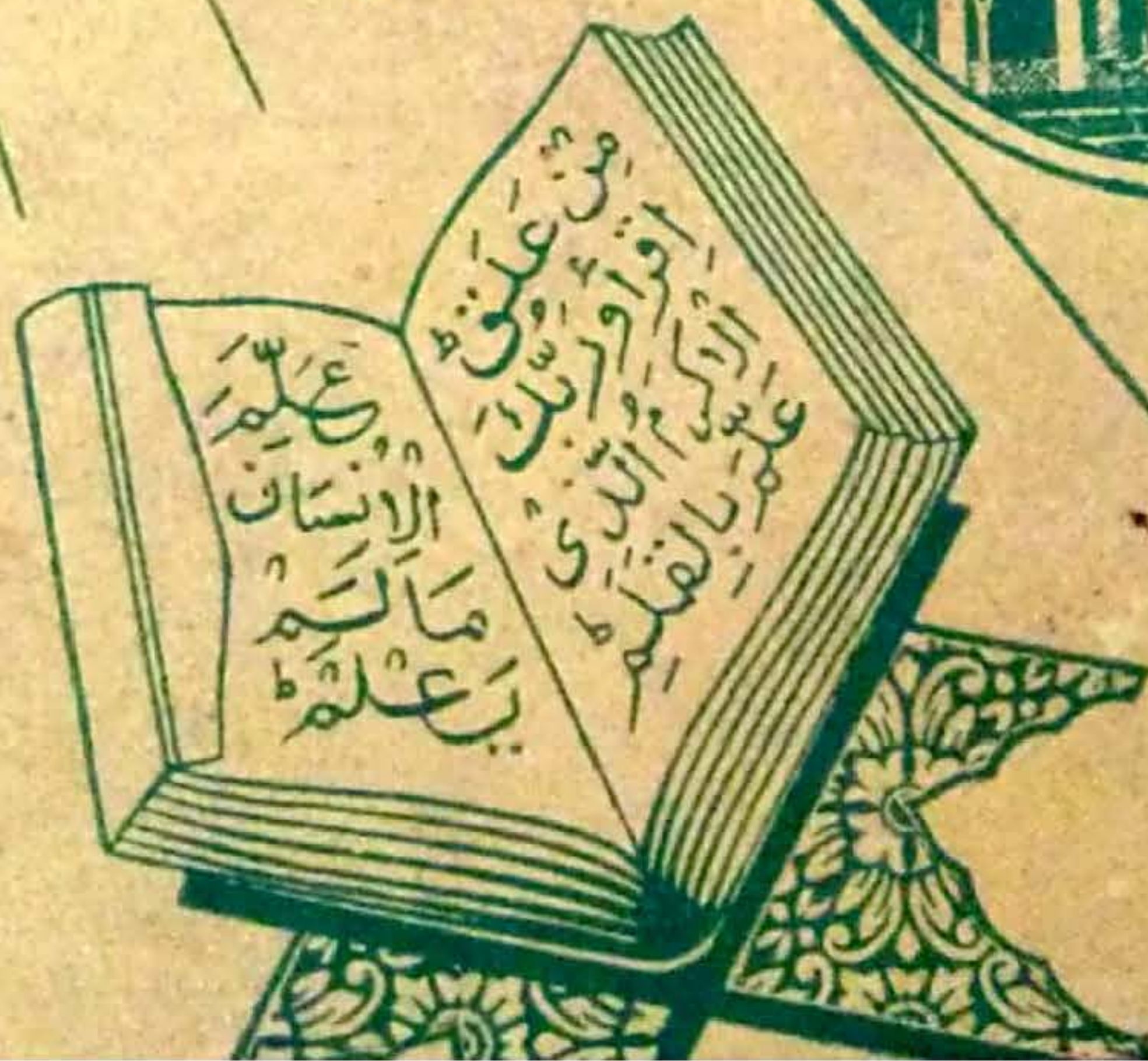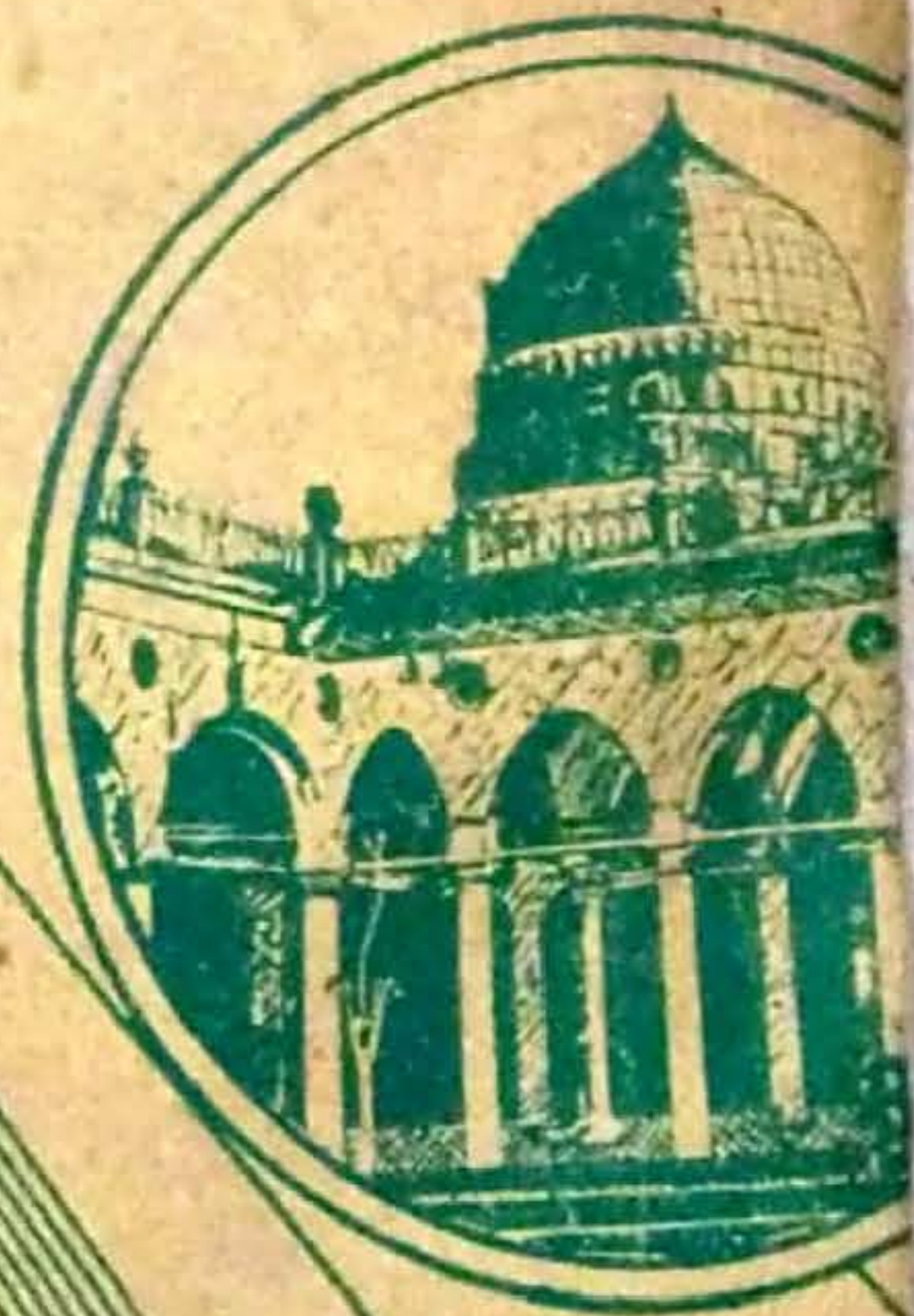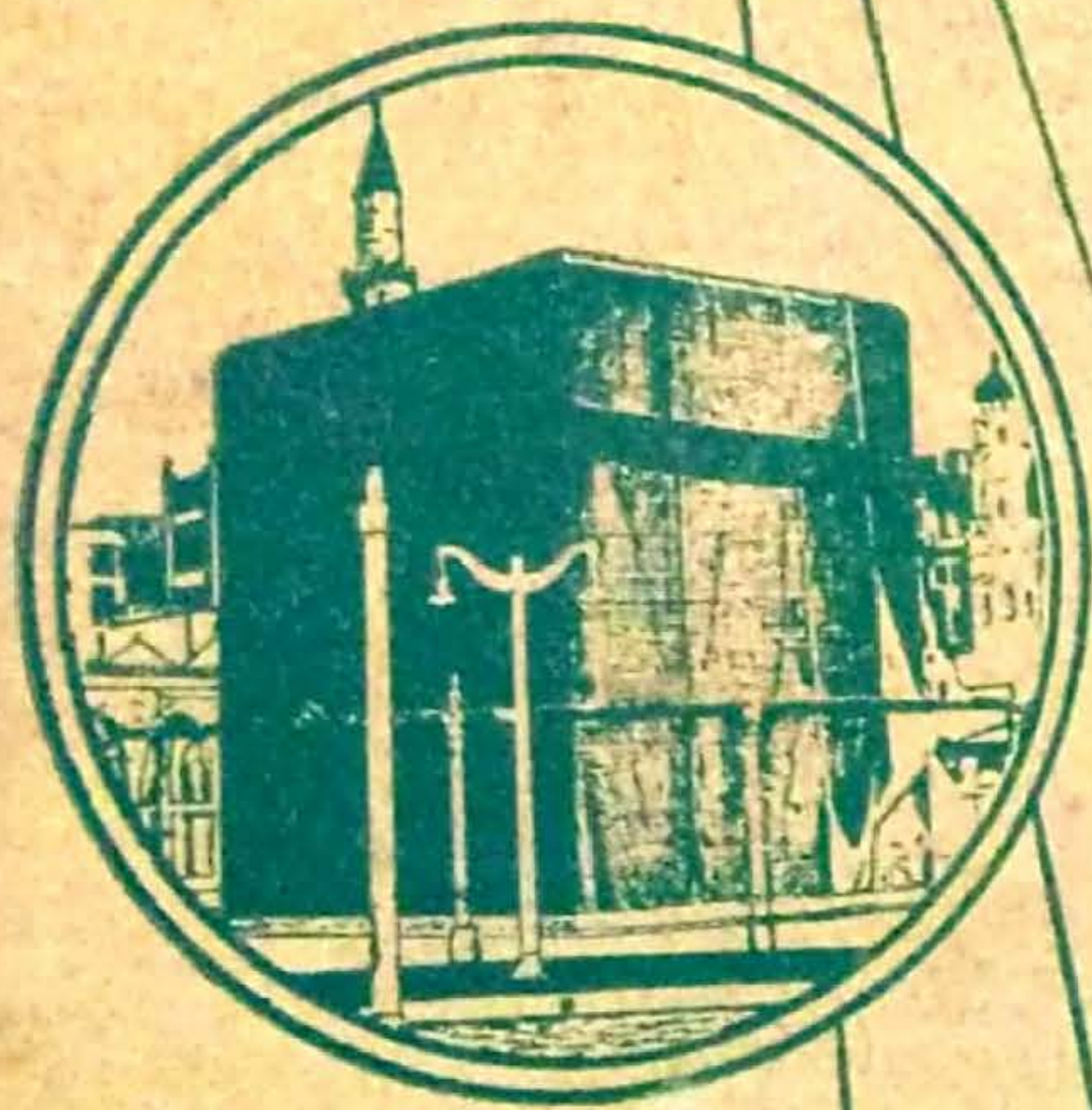
معارف القرآن

حصۂ اوّل

جس میں توحید، رسالت، کتاب، اور دینی زندگی کے عنوانات
پر قرآن حکیم کی تقریباً ایک سو آیات کے ماتحت اُن کی تشریح
و توضیح کی گئی ہے اور موجودہ حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اس
کے لئے ایک خاص طرزِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوری

طابع و ناشر

محی الدین منیری

حجاز اسٹور۔ صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ نمبر ۱، بمبئی

ایک روپیہ چار آنے

بار اوّل تعداد ۱۰۰۰

عرضِ ناشر

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے "معارف القرآن" کے اشاعت کی توفیق بخشی۔ یہ کتاب الحاج مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری مدیر دینیات روزنامہ "انقلاب" بمبئی کا نتیجۂ فکر ہے۔ موصوف کو علم دین سے ایک گہرا لگاؤ ہے۔ آپ نے بمبئی کے اخبار بین حضرات میں دینی باتوں کے پڑھنے اور سمجھنے کا ایک ذوق پیدا کر دیا ہے، جب قلم اٹھاتے ہیں دین اور ایمان ہی سے متعلق کوئی بات لکھدیتے ہیں۔

بہرحال "معارف القرآن" کا مصنف اسلامی تاریخ اور دینی علوم میں ایک خاص امتیاز کا مالک ہے، اور یہ امتیاز اس کتاب کے صفحات میں نمایاں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمّت کی صلاح و فلاح کے لئے قبول فرمائے اور اس کی افادیت کو عام کرے۔ آمین

سرورق کا اسلامی آرٹ ہمارے محترم الحاج عبدالکریم صاحب میمنی کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے جو کتاب کے بالکل شایانِ شان ہے اور حسین اقرا کے پیام کو غارِ حرا کی مناسبت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کی توفیق پر بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں، امید ہے کہ پڑھنے والے کے حق میں یہ کتاب بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ واللہ المستعان۔

محی الدین منیری

بمبئی ۸ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ

فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى

اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد! مین نے ۱۹۴۷ء سے پہلے تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت مین زمزم کمپنی لمیٹڈ لاہور کے لئے "منتخب التفاسیر" کے نام سے قرآن حکیم کی اُن تمام تفاسیر کا ایک خلاصہ نوسو سے زائد صفحات مین جمع کیا جواب تک اردو مین شایع ہو چکی ہین، اس سلسلہ مین مجھے قرآن حکیم کے بارے مین بڑی معلومات حاصل ہوئین اور اس سے ایک خاص لگاؤ پیدا ہو گیا حتّٰی کے صحافت کے پیشہ مین بھی اس کا ظہور ہوتا رہا، اسی کا یہ ایک نتیجہ ہے جو آپ کے سامنے "معارف القرآن" کے نام سے موجود ہے، مین نہایت صفائی سے عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ "معارف القرآن" مین جو کچھ ہے وہ نہ تفسیر ہے نہ تاویل، بلکہ قرآن حکیم کی آیات کو سامنے رکھکر ایک تحریر ہے جو ہندوستان کے مسلمانون پر موجودہ حالات کے پیش نظر تیار کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مین کہین کسی قسم کی نہ دقتِ نظر ہے اور نہ وہ باتین ہین جو تفسیر کی کتابون مین ہوتی ہین۔

مین اس موقع پر برملا اعتراف و اقرار کرتا ہون کہ مین علم و حزم کی اس منزل پر ابھی نہین پہونچا ہون جہان اہلِ فکر و نظر پرکھے جاتے ہین۔ لہٰذا اہلِ علم و فضل سے گذارش ہے کہ

وہ اس کتاب میں جو غلطیاں دیکھیں سب سے پہلے مجھے مطلع کریں۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں تحدیث اور اظہارِ تشکر کرتا ہوا یہ ضرور لکھتا ہوں کہ اگر میں یہ اقدام اپنے پڑھنے والے عام مسلمانوں کی خواہش اور ان کے اصرار و طلب پر کرتا تو اب سے بہت پہلے "معارف القرآن" کی کئی ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہوتیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو مقبولیت عطا فرمائی تو اس کے دوسرے اجزاء بھی شائع ہوں گے، اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس میں نہ محض رائے نے رہبری کی ہے، نہ نرے جذبات و احساسات ہی اس کے ذمہ دار ہیں، بلکہ اخلاص و نصیحت کے ماتحت یہ سب کچھ لکھا گیا ہے۔

میں ان معروضات کو اسی بات پر ختم کرتا ہوں جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا ہے

"کون سی زمین میرا بار برداشت کرے گی، اور کون سا آسمان مجھ پہ سایہ فگن ہوگا، اگر میں اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کوئی بات لکھوں ——"

قاضی اطہر مبارکپوری

بمبئی جمعہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ ۱۳ جولائی ۱۹۵۶ء

پرنٹر اے۔ کے۔ محمد نے قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ بمبئی ۳ میں چھاپا

اور محی الدین منیری نے حجاز اسٹور صابو صدیق مسافرخانہ

کرناک روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا

توحید

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ه

(اللہ) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمھارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے

سب، (پ ۱ ع ۳)

تم نے کبھی غور بھی کیا کہ یہ کارخانۂ عالم کس مخلوق کے کام آتا ہے اور اس کی ایک ایک چیز سے کون بہرہ مند ہوتا ہے؟ کیا جنگل کے شیر اس کائنات کی کلیدی اور غیر کلیدی اشیاء پر قابض و دخیل ہیں؟ کیا ملائکہ وجنات یہاں کی ہر چیز پر دھرنا مارے بیٹھے ہیں؟ اور کیا کوئی اور مخلوق اس روئے زمین کے اندر اور باہر حکمران ہے؟ اگر تم غور کرو تو معلوم ہو کہ قدرت نے اس روئے زمین کی کنجی صرف انسان کو دی ہے، اور وہ اس کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا مالک و مختار ہے، قدرت نے انسان کو زمین کی ملکیت دی، اس کے ایک ایک راز کو بتایا، اس کی ایک ایک مخفی اور ظاہری طاقت سے روشناس کرایا، چیزیں دیں، ان کے خواص بتائے پہاڑ دیئے، سمندر دیئے، صحرا دیئے، آبادیاں دیں، اور پھر ان سب کی ان تمام ودیعتوں کو بخشا، جو ان کے کام آتی ہیں، پھر اس نوازش سے پورے طور پر فائدہ حاصل کرنے کے لیئے انسان کو عقل دی، حقائق معلوم کرنے کا طریقہ بتایا، نتائج نکالنے کی راہیں دکھائیں اور علم و فن کا وہ بے بہا خزانہ دیا کہ اگر یہ نہ ہوتا، تو پھر یہ ساری دنیا اور اس کی تمام طاقت انسان کے لئے بیکار محض ہوتی، پس، اے انسانو! بتاؤ کہ تم اپنی زندگی کو اس بالادست طاقت کے سامنے جوابدہ

سمجھتے بھی ہو؟ اور کبھی تم نے سوچا کہ اس کائنات کے بارے مین کبھی تم سے سوال بھی ہوگا، اور تم اپنے محسن کی عدالت مین جوابدہی کے لیئے لائے جاؤگے؟ آخر اس دنیا کو تخلیق کرنے کے بعد قدرت نے جو تمہین بخشا ہے تو اس کا کچھ منشا بھی ہوگا؟ اور تم سے اس کا کوئی مطالبہ بھی ہے گا۔ اسلام اسی بات کی یاد دہانی کرنے کے لیئے آیا ہے، اور ہر انسان سے وہ یہی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اُس رب العالمین کو احکم الحاکمین مانے اور اُس کو اپنا سب کچھ کردانے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور خدا کی نشانیون مین سے یہ ہے کہ وہ تمہین خوف اور لالچ کے لیئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اس مین عقل رکھنے والی قوم کے لیئے نشانیان ہین۔ (پ ۲۱ - ع ۶)

گرمی کا زمانہ ہے، آفتاب کی گرمی جوانی دکھا رہی ہے، زمین کا سینہ سلگ رہا ہے، درختون کے سائے سے ثمر جھڑ رہے ہین اور رندے جھاڑیون مین ہین، مگر مچھ کھاڑیون مین ہین، پرندے گھنے درختون مین اپنی ننھی ننھی جانون کو دبائے ہوئے بیٹھے ہین، زمین تپ رہی ہے، آسمان شعلے برسا رہا ہے، فضا طبقۂ نار کی ہمسری کر رہی ہے، دوپہر کا وقت ویرانی و بربادی کا سمان پیش کر رہا ہے، نہ آشیانون مین نغمے ہین، نہ کھیتون مین ہریالیان ہین، نہ تالابون کے کنارے شکاری پرندے ہین، پھر کہین کوئی انسان کیسے نظر آئے، انسان سے لیکر جانور

اور چرند و پرند تک حال کی بے حالی سے بے حال ہوکر مستقبل کی امید پر زندہ ہین، یہ صورت حال چند دنون تک رہی، اس کے بعد ایسا ہوا کہ حال کے چہرے پر مستقبل کے آثار نمودار ہوئے، آسمان کی عریانیت پر بدلیون کے لباس آنے لگے، رحمتِ خداوندی نے کائنات پر رحم کی فرمایا، اور دم کے دم مین بدلیون کا کاروان اپنے جلو مین سُرور و مسرت، باد و باران، نمو و روئیدگی اور وہ سب کچھ لیکر آسمان پر آگیا، جس کے لیئے تمام کائنات چشم براہ تھی، دنیا مسکرا اٹھی، صحرا، کھیت، باغ، بیابان ہنس دیئے، ویرانے جھومنے لگے، اور ناامیدی کی تمام بلائین ٹلنے لگین اور اس طرح فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا نوشتہ پورا ہوا کہ جب دنیا مین ناامیدی کی سیاہی چھا جاتی ہے تو امید کی کرن نمودار ہوتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بادلون کی گرج، بجلیون کی چمک، بدلیون کی ہیبت ناک سیاہی، اور موسلا دھار بارش کی مہلک تباہی کے تصور سے ساری دنیا سہمی ہوئی ہے، اور ہر لحظہ ڈر ہے کہ کہین بادلون کی گرج آبادیون کو تباہ نہ کردے بجلیون کی چمک بھسم ہو جانے کی تمہید نہ بن جائے، غور کرو یہ خوف و رجا، اور امید و ناامیدی کی کشمکش کیا رنگ پیدا کرتی ہے، اور خوف و طمع کے درمیان انسان اپنے آپ کو موت وحیات کے کس مقام پر پاتا ہے، کسان کے دل سے دعائین نکلتی ہین کہ بارالہا! یہ بارش ہمارے لیئے رحمت ہو زحمت نہ ہو، چنانچہ اس کشمکش کی نازک گھڑی مین بھی انسانی پکار سنی جاتی ہے! اور بارش کے ہر قطرے کو انسانی زندگی کا امین بنایا جاتا ہے، جس کے نتیجہ مین زمین کا ہر مردہ ذرہ زندگی کی دولتون سے معمور ہوکر ہنس دیتا ہے، اور لو اور دھوپ کی جہنم مین جل بھننے کے بعد نئی زندگی سے بہرہ یاب ہوتا ہے، یہی حال انسانون کے دوبارہ جی اٹھنے کا ہوگا اور وہ مرنے اور گلنے کے بعد پھر قیامت مین جی اٹھے گا، عقل و ہوش اور دیدۂ منظر رکھنے والے کے لیئے قدرت کی رنگینی اور اس کی کارفرمائی کا ان باتون مین خزانہ ہے۔

تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا ۔

وہ درخت اپنا پھل دیتا ہے، ہر زمانہ میں اپنے پروردگار کے حکم سے

(پ ۱۳۔ع ۱۷)

زمین کس نے بنائی ؟ زمین کے اندر قوتِ روئیدگی ونمو کس نے بخشی، فضا کس نے بنائی
فضا کے اندر یو چھل ہوائیں کس نے بھیجیں ؟ سمندر کس نے بنایا، سمندر کے اندر سے بھاپ کس نے ا
بادل کس نے بتایا، بادل کے اندر سے بارش کے مسلسل قطرات کس نے گرائے، پھر یہ زمین وصح
یہ باغ وبیابان، یہ ندی ودریا، یہ خشکی وتری، یہ ہوا وفضا، یہ سردی وگرمی اور یہ فصل وموسم
کس کی ملکیت ہیں، کس کے حکم سے ان کے اندر موت وحیات، بشاشت وپژمردگی، اور گریہ
وخندیدگی کے مظاہرے نمایاں ہوتے رہتے ہیں، ان تمام سوالوں کے جواب میں تم جو چاہو کہدو
جن الفاظ سے چاہے تعبیر کر لو، اور جن علوم وفنون کا چاہو نام لے لو، مگر اس حقیقت سے لاکھ
بھاگنا چاہو تو نہیں بھاگ سکتے کہ یہ سب قدرت کا کھیل ہے، اور خدا ئے وحدہٗ لاشریک کی
ملکیت ہے، قدرت کے خلاف کوئی علم وفن، کوئی ایجاد واختراع اور کوئی فکر وکاوش نہیں کام
کرسکتی، ہاں اگر علم وفن قدرتِ خداوندی کے ماتحت ہے، اس کی حرکت ورفتار کی لگام قوانین
قدرت کے ہاتھ میں ہے، اور اس کے اندر خدا کی حاکمیت وفنا لیّت کا عقیدہ ویقین کار فرما ہے
تو یقیناً نظامِ قدرت میں اس سے مدد لی جائے گی، اس کی ایجادات کی افادیت کو اجاگر کیا
جائے گا اور انسان کی ایجادات کے ذریعہ قدرت کے کام کئے جائیں گے،

مثلاً پیداوار اور اس کے متعلقات کی کنجی، قبضۂ قدرت میں ہے، بارش برسانا، بادلوں
کا اٹھانا، مانسون کا بھیجنا، زمین کا قابلِ کاشت بنانا قدرت کا کام ہے، پھر پودوں کا اگانا
ان میں روئیدگی دینا، سردوگرم طوفانوں سے بچانا، کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ رکھنا قدرت کا

کام ہے اور اس مین کوئی طاقت شریک نہین ہے، درختون کا پھل دینا قدرت کی بات ہے، سال مین دو ایک مرتبہ پھلون کا آنا اسی کے قبضہ مین ہے، اور سال بھر برگ و بار سے لدا رہنا بھی اسی کی بخشش ہے، پس جب درختون، پودون اور پیداوارون کی تمام تر کلیدی کنجیان قدرت کے ہاتھ مین ہین تو پھر انسان کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ خدا سے بغاوت کرکے زمینی پیداوار پر کنٹرول کرنے یا اسے کم دبیش کرنے کی فکر کر رہا ہے، یہ باغیانہ کوششین بارآور نہین ہوسکتی ہین البتہ ایمان وعمل کے امتزاج سے پیدا کی ہوئی عقل سے کام لیا جا سکتا ہے، اور قدرت اسے تسلیم و رضا کا تمغہ دیکر نواز سکتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ دنیا مین قحط وگرانی کا طوفان برپا ہے، اور انسان خود کفیل ہونے کے لئے خدا سے بے نیاز ہوکر طرح طرح کے آلات ایجاد کر رہا ہے صحراؤن اور بیابانون کو کرنے کونے مین دانہ چھینٹ رہا ہے، مگر نتیجہ الٹا نکلتا ہے، کیونکہ ان کوششون مین خدا کی حاکمیت کا رنگ نمایان نہین ہے، اور بے خدا زندگی اپنی خرمستی دکھا رہی ہے، اس کا نتیجہ خسران ہونا چاہیے

يُنۢبِتُ لَكُم بِهِ ٱلزَّرۡعَ وَٱلزَّيۡتُونَ وَٱلنَّخِيلَ وَٱلۡأَعۡنَٰبَ وَمِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اللہ تعالیٰ اگاتا ہے بارش سے تمہارے لئے کھیت، زیتون، نخلستان، انگور اور ہر قسم کا پھل، بیشک اس مین فکر کرنے والی جماعت کے لئے نشانی ہے۔

(پ ۱۴ - ع ۸)

خدا پرستی اور خدا شناسی کی بکھری ہوئی نشانیون مین سے اگر تم کسی معمولی سے معمولی نشانی مین بھی تھوڑا بہت غور کرو تو تمھین اس مین خدا شناسی کے بیشمار آثار ملین گے، اور تم پکار اٹھو گے کہ بیشک یہ نظام کائنات اپنی گوناگون کیفیات اور متضاد حالات مین یون ہی نہین چل رہا ہے

ملکہ کوئی طاقت ہے جو اسے ایک ضابطہ کے ساتھ لے چل رہی ہے، یہ بارش کے قطرات جو آسمان
سے گرتے ہیں اور زمین پر آکر ختم ہو جاتے ہیں، کبھی تم نے غور کیا کہ وہ اپنے پروردگار کا کس قدر
فیض زمین کو بخشدیتے ہیں، اور اپنی ننھی ننھی جانوں میں کتنی افادیت رکھتے ہیں یہی پانی کے قطرے
آسمان سے گر کر زمین کو اپنی تمام ودیعت سونپ دیتے ہیں، اور اسے زندگی کے مختلف مظاہر دن
سے مالا مال کر دیتے ہیں، ایک بارش ایک زمین پر گری مگر تم دیکھتے ہو کہ اسی ایک بارش اور ایک
زمین سے اختلاف وتضاد کی کتنی رنگینیاں پھلیں پھولیں، زمین اپنی صلاحیت وافادیت کے باوجود
بیکار تھی، بارش نے اسے کام کا بنا دیا، تو پھر اس کے سینے سے وہ جو ہر نمودار ہوئے، جو رنگ
وبو اور مزہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک ہی تختۂ گل میں کوئی پھول سرخ ہے تو کوئی
ہرا، کوئی زرد ہے تو کوئی سفید، کسی کا رنگ دھانی ہے تو کسی کا گلابی، کوئی ہلکا رنگ رکھتا ہے
تو کوئی گہرا، پھر بو اور مہک کے اعتبار سے ہر ایک پھول کی دنیا جداگانہ ہوتی ہے، اور یہ کبھی
نہیں ہوتا کہ ایک پانی یا ایک زمین سے ایک ہی قسم کا درخت اُگے، پھر آگے بڑھو اور دیکھو کہ یہ
گونا گون پھلوں اور دانوں کا اختلاف کس بالا دست قوت کا پتہ دے رہا ہے، پانی کے ایک
قطرہ اور زمین کے ایک ذرہ میں کس قدر استعداد اور صلاحیت کے ذخیرے موجود ہیں، اور پھر
ان کے اختلاف و تباین کا کیسا رنگ ہے، کیا یہ صورتِ حال بلا کسی بالادست قوت کی کارفرمائی
کے پیدا ہو رہی ہے؟ اور اس پر کسی ذات کا قبضہ وفیضان نہیں ہے؟۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ؁

اور خدا کی نشانیوں میں سے اس کا زمین و آسمان کو پیدا کرنا اور تمہاری

زبانوں اور تمھارے رنگوں کا اختلاف ہے، بیشک اس مین جانے والون

کے لیے بہت سی نشانیان ہین، (پ ۲۱۔ ع ۲)

خدائے واحد نے اپنے دستِ قدرت سے زمین بنائی، آسمان بنایا اور ہوا بنائی، ایک ہی زمین ایک ہی آسمان اور ایک ہی ہوا ہر جگہ ہے، مگر پھر تم دیکھتے ہو کہ ہر جگہ کی مٹی مین تاثیر الگ ہے، ہر ملک کی ہوا کا اثر دوسرا ہے، اور ہر مقام پر آسمانی اثرات مختلف قسم کے پڑتے ہین، اسی دنیا مین ایک ہی وقت مین کہین گرمی ہے تو کہین سردی، کہین رات ہے تو کہین دن کہین اجالا ہے تو کہین اندھیرا، تو بتاؤ کہ زمین کے ایک کرّہ ہونے کے باوجود، آسمان کے ایک نظام شمسی رکھنے کے باوجود اور ہوا وفضا کے ایک ہی خلا مین رہنے کے باوجود، دنیا مین یہ لیل ونہار کی بوالعجبیان، یہ سردی وگرمی کی نیرنگیان، اور یہ اختلاف وتغیر کی بوقلمونیان کیون ہین؟ اور ان مختلف اثرات وحالات کی وجہ سے یہ ملک وقوم کی حدبندیان، نسل ورنگ کے اختلافات اور محاورہ وزبان کی علحدگیان کہان سے پیدا ہوئین اور پھر جس طرح زمین وآسمان کے ساری دنیا مین ایک ہونے کے باوجود وہ ہر مقام پر جدا جدا ہین، اسی طرح دنیا بھر مین انسان کے ایک نسل سے ہونے کے باوجود وہ ہر بستی اور ہر خطہ مین کیون جدا جدا ہے؟ اور دو ڈھائی ارب انسانون مین سب کچھ ایک ہونے کے باوجود دو انسان کیون ایک ہی نہین ہین؟ -

کیا اختلاف وتغیر کا یہ سارا نظام یون ہی چل رہا ہے، اور اس کے پیچھے کوئی باقاعدہ منظم طاقت کام نہین کر رہی ہے؟ اگر کوئی طاقت نہین ہے اور جب بخت واتفاق کے بل بوتے پر یہ سارا نظام چل رہا ہے تو کیا اس دنیا مین کوئی اور نظام بھی شتر بے مہار ہو کر اس طرح ازل سے چلتا رہا ہے؟ اور وقت وزمانہ کی کوئی گرفت اسے اپنی جگہ سے نہین ہٹا سکی

ہے؟ اگر کوئی دوسرا نظام اس قسم کا نہیں ہے تو پھر یہ ایک کارخانہ عالم اپنے اختلاف و تغیر کے ساتھ کیوں باقاعدہ چل رہا ہے؟ سنو یہ اس لئے کہ اس کے پیچھے جو طاقت کام کر رہی ہے، اس کی باگ ڈور فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے دست قدرت میں ہے اور، اس کی ماتحت طاقتیں (فرشتے) اس کے اشارے پر چلتی ہیں، ایک خدا کی ذات پر ایمان لاؤ اور اسی پر اعتماد و عمل کی پونجی نثار کرو۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۔

خدا کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم بشر ہو کر پھیل گئے ہو۔ (پ ۲۱ - ع ۶)

قرآن حکیم انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور بار بار تقاضا کرتا ہے کہ خدا شناسی کے لئے اس کی مخلوق میں غور کرو اور عقل و بصیرت کی دور رسی کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کرو، انبیا و رسل اس بارے میں تمھاری رہبری کرتے ہیں، وہ تمھارے سامنے خدا کی نشانیوں کو گنا سکتے ہیں، بوقت ضرورت ان کو دکھا سکتے ہیں، اور تمھاری عقل و خرد کو صیقل بھی کر سکتے ہیں، مگر خدا شناسی تمھارا اپنا کام ہے، تم اپنے دل و دماغ سے کام لیکر اس کی معرفت حاصل کرو، اور اپنی زندگی کے اس مقصد کو پورا کرو، جس کے لئے خدا نے تمھیں پیدا فرمایا، اس سلسلہ میں سب سے پہلی نشانی خود اپنی ذات کے اندر ہے، جس کے مجموعہ کو آیات انفسیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر انسان خود اپنی ذات اور اس کے احوال و وقائع میں غور کرے تو خدا کی معرفت کی راہ پا سکتا ہے، اور پھر خدا تک پہنچ سکتا ہے، بشرطیکہ نبی و رسول کی رہنمائی میں یہ راستہ طے کرے،

اسی نشانی کو قرآن حکیم نے یہاں پیش کر کے تخلیق انسانی کی ابتدائی حقیقت کو واضح فرمایا ہے، کہ اے انسانو! خدا نے تم سب کو پہلے پہل مٹی سے پیدا کیا اس کے بعد تم قدرت کی مقرر کی ہوئی ابتدائی قدروں کو طے کرتے ہوئے اس منزل تک پہنچے کہ آج دنیا میں تم پھیلے ہوئے ہو، اور تمھیں اس زمین کی بادشاہت حاصل ہے، جس سے تمہارا خمیر اٹھایا گیا ہے، پس جس رب السمٰوات والارض نے تم کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر ساری کائنات پر فضیلت دی ہے، تم اس کی حاکمیت اور برتری کو تسلیم کرو، اور اس بارے میں اسلام کے بتائے ہوئے اصول و قانون کو مانو،

هُوَالَّذِیْ سَخَّرَالْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔

اور وہی ہے جس نے مسخر کیا سمندر کو تاکہ کھاؤ تم اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس میں سے زیور جسے تم پہنتے ہو، اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اس میں، اور تاکہ تم تلاش کرو اس سے اللہ کے فضل (روزی) سے اور تاکہ شکر ادا کرو۔ (پ ۱۴، ع ۸)

دنیا میں ذہنی مرعوبیت انسان کو اس طرح پچھاڑ دیتی ہے کہ پھر اس کے اوپر ہر قسم کے خیالات و تصورات کا نہایت آسانی سے قبضہ ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب انسان نے اس سطح زمین پر آسمان کے نیچے اپنی آنکھ کھولی، اور مظاہر قدرت کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا اور چاند، سورج، ستارے، دریا، پہاڑ اس کے سامنے آئے تو وہ ان سے مرعوب ہو گیا، ان ہی

کی عظمت اس کے دل پر چھا گئی، اور وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے حقیقی تصور سے محروم ہو گیا، مظاہر پرستی کی وبا مین عقیدۂ توحید کی گمشدگی اسی اندوہناک صورتِ حال کا نتیجہ ہے، پھر انسانی دماغ کی صفائی کے لیئے انبیاء و رسل کی تشرآوری ہوئی، اللہ کی آیات برپا ہوئین، رشد و ہدایت کی قندیلین روشن ہوئین، اور انسان کو سمجھا دی گئی کہ جن چیزون مین تم الجھ کر رہ گیئے ہو وہ خدا کی قدرت کے مظاہر ہین، ان مین خدا کی خالقیت کا جمال و جلال ہے نہ کہ وہ خود خدا ہین،

اس سلسلہ مین قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ یہ طویل و عریض دریا جو تمھارے لیئے حیرت و استعجاب کا باعث ہے، اور جسے تم اپنے دل و دماغ پر مسلّط کیئے ہوئے ہو اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہین کہ یہ تمھارے تابع ہے، اس کی تمامتر موجودگی اور اس کے نتائج تمھارے فائدے کے لیئے ہین، تم اس کے سینے کے اوپر کشتیان چلاتے ہو اور اس کے سینے کے نیچے سے موتیان اور طرح طرح کے قیمتی مادے نکال کر زیور بناتے ہو اور روزانہ استعمال کرتے ہو، اس سے تمھاری بہترین غذا یعنی تازہ گوشت مہیا ہوتا ہے، تم اپنی روزی کے لیئے اسے ذریعہ بناتے ہو، اور اس پر سفر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے آتے لے جاتے ہو، پس جب سمندر کی تمام عظمتین تمھارے لیئے برپا ہین، اس کی تمام پیداوار تمھارے قبضہ مین ہے، اور تم اس کے وارث ہو، تو پھر تم اسے اپنا معبود کیون گردانتے ہو اور اس کی تمام عظمتون کو اپنا خادم سمجھنے کے بجائے تم خود اُن کے خادم کیون ہونے جا رہے ہو، سمندرون اور پہاڑون کے پیدا کرنے والے اور ان کو تمھارے قبضہ مین دینے والے خدا کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرو، اور یقین و عمل سے اس کا ثبوت دو،

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۔

اور خدا کی نشانیون مین سے رات اور دن مین تمہارا سونا ہے اور خدا کے فضل سے تمہارا روزی کا تلاش کرنا ہے، اس مین سننے والی قوم کے لیئے بہت سی نشانیان ہین، (پ ۲۱ ۔ ع ۶)

یہ کائنات کیا ہے؟ ازل سے ایک چکر ہے جو جاری ہے، یہان وقتون کا گذرنا، دنون اور راتون کا آنا جانا، سالون مہینون اور گھڑیون کا تغیر و تبدل اسی گردش کا نتیجہ ہے، جو اگر رک جائے تو سارا نظام ہی چوپٹ ہو جائے، یہان حرکت کی عملداری ہے، ہنگامہ کا عمل دخل ہے، اور کشمکش کا ہجوم ہے، اور ان ہی ہنگامہ خیزیون کا دوسرا نام دنیا ہے لیکن دیکھو کہ فاطر السموات والارض نے اسی ہنگامہ مین امن کو پیدا کیا، اور حرکت سے سکون کو نکالا، ہنگامۂ عالم کا ایک چکر رات بن جاتا ہے تو تم اسے اپنے سکون و اطمینان کے لیئے استعمال کرتے ہو، اور اسی ہنگامۂ عالم کا جب ایک چکر دن بن جاتا ہے تو تم اٹھ کھڑے ہوتے ہو، اور تسکین و طمانیت کی چادر اپنے بدن سے اتار کر پھینک دیتے ہو، پھر اسی خدا نے دنون کے اندر بھی تمہارے لیئے نیند کی گھڑیان مقرر کر دی ہین اور تم چاہو تو رات کے علاوہ جو آرام کرنے اور سونے کے لیئے بنی ہے دن مین بھی سو سکتے ہو، رات کے پورے حصہؔ اور دن کے کچھ حصہؔ مین تمہین نیند آجاتی ہے اور ہنگامۂ عالم سے یکسو ہو کر موت کے آغوش مین سو جاتے ہو اور پھر جی اٹھتے ہو اور اپنی روزی تلاش کرتے ہو، یہ کیا ہے؟ کیا ان باتون مین تمہارے لیئے معرفتِ خداوندی کا کوئی حصہؔ ہے؟ ۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

اور کوئی بھی رسول اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی نہیں لا سکتا، پس جب اللہ کا امر آجاتا ہے تو سچائی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اور اس مقام پر باطل پرست ناکام ہو جاتے ہیں۔ (پ ۲۴ - ع ۱۳)

خدا اور رسول کے درمیان میں وحی الہٰی اور علاقہ روحانی کا جو سلسلہ ہے، وہ انسانیت کی آخری معراج ہے، روئے زمین پر سب سے برگزیدہ اور برتر انسان انبیاء علیہم السّلام ہوتے ہیں لیکن وہ انسان ہوتے ہیں، آدم کی نسل سے ان کا تعلق ہوتا ہے، اور انسانی زندگی کی حدود میں ہوتے ہیں، ان کے اندر تعلق مع اللہ کی ودیعت ہوتی ہے، انسانیت کی انتہائی معراج ان کا مقام ہے اور خدا کے بعد ان کی ہستی اولاد آدم کے لئے مکرم و محترم ہوتی ہے، لیکن وہ خدا نہیں ہوتے، خدا کی ذات وصفات میں ان کی کوئی شرکت نہیں ہوتی، خدا ہی کے فضل و احسان سے وہ اس بلند مقام کے مالک ہوتے ہیں، اگر خدا نہ چاہے تو کوئی آدمی نہ نبی بن سکتا ہے، نہ نبوت کی ایک صفت اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے، انبیاء جو کچھ کہتے ہیں خدا کے کہلوانے سے کہتے ہیں، جو کچھ کرتے ہیں خدا کے کرانے سے کرتے ہیں، جن حالات کا ان کے ہاتھوں ظہور ہوتا ہے، خدا کے فیضان و احسان سے ہوتا ہے، اگر خدا کی مصلحت نہ ہو تو نبی نہ ایک معجزہ دکھا سکتا ہے اور نہ کوئی حکم سنا سکتا ہے، اس میں خدا کی ذات وصفات کا کوئی حصّہ نہیں ہے، وہ بشر ہوتا ہے، خدا اور بشر کے درمیان کوئی قدر مشترک شے نہیں ہے،

انبیاء علیہم السّلام دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہتے ہیں، اور قوم تسلیم و رضا اور ابا و انکار کا معاملہ کرتی رہتی ہے اس بارے میں نبی خدائی حکم کا منتظر ہوتا ہے اور جب قوم

کی بے راہ روی حد سے گذر جاتی ہے تو اللہ کا امر آتا ہے، اور نبی اور قوم کے مابین دو ٹوک فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اہلِ حق اپنے نبی کے ساتھ سربلندی کے مستحق ٹھہرتے ہین، اور اہلِ باطل اپنے سرداروں کے ساتھ ناکامی و خسران کے سزاوار بنتے ہین،

پس عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت کے درمیان وحی الٰہی اور غایت تعلق مع اللہ کے علاوہ کوئی چیز قدرِ مشترک کے طور پر نہین ہے، توحید و رسالت کو اپنے اپنے مقام پر رکھ کر اسلام کی حقیقی روح سے معمور ہونا چاہیئے، اور ان تمام خیالات و تصورات سے بھاگنا چاہیئے جن کے باعث دنیا کی دوسری قوموں نے دونوں کے درمیان کی حد کو پامال کر کے توحید پرستی مین آمیزش کی ہے،

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ ہی کی اجازت سے، اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، (پ ۲۸ - ع ۱۶)

نفع و نقصان دو ایسے حقائق ہین جن کے لیئے انسان سب کچھ برداشت کرتا ہے، اور ہر بات کا قائل ہوتا ہے، دفع مضرت اور جلبِ منفعت انسانی کی جبلی خواہشین اور فطری تقاضے ہین، نقصان سے بچنا اور فائدہ کا حاصل کرنا ہر شخص کا حق ہے،

انسان اس حق کے استعمال مین بسا اوقات حد سے گذر جاتا ہے، اور اپنی فن بازی و فن کاری کی جولانی دکھانے کے لیئے طرح طرح کے خیالات و نظریات مین مبتلا ہو جاتا ہے

اور یقین و عقیدہ کے فتور میں پڑ کر عمل و زندگی کو فتور کے حوالہ کر دیتا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ بیشک دفع مضرت اور جلب منفعت ہر انسان کا حق ہے، اور اس حق کے استعمال کے لیئے قدرت ہر طرح کی آسانی فراہم کرتی ہے،

ہر انسان کیا مخلوق کی ہر چیز میں احوال و ظروف کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی ایسی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں جو دفع مضرت اور جلب منفعت کے کام کو پورا کرتی ہیں، تم انسانوں سے لے کر بے جان چیزوں تک کو دیکھ جاؤ، ہر جگہ یہ حقیقت الم نشرح نظر آئے گی، مگر ساتھ ہی اسلام اس عقیدہ کو بنیاد قرار دیتا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے، اور جس طرح کائنات کا کوئی ذرہ اور کوئی لمحہ اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں، اسی طرح یہ چیز بھی اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے، انسان نفع و نقصان کے بارے میں کوشش صرف کرے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہرگز ہرگز نہ بیٹھے مگر ہر حال میں یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، خدا کی طرف سے ہو رہا ہے، اور اس کی مرضی کے بغیر ایک بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا، عقیدہ کی اس چٹان سے نفع و نقصان کے اعمال و حرکات کو وابستہ رکھا جائے، تو انسان جلب منفعت اور دفع مضرت میں پوری طرح کامیاب ہو سکتا ہے اور اس کے اندر لغزش و تزلزل کو راہ نہیں مل سکتی ہے، دل کی عزیمت اور ارادہ کی پختگی کا یہ بلند مقام ان ہی خوش بختوں اور خوش نصیبوں کے لیئے ہے، جو خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں، اور خدا کی بخشش و فیضان سے پوری طرح معمور و منصور رہیں،

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ الَّذِي
أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ

اللہ ہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور باہر کا، زبردست رحم والا جس
نے خوب بنائی جو چیز بنائی۔
(پ ۲۱۔ ع ۱۴)

خالق ارض وسموٰت کا علم اور اس کی قدرت عام ہے، اس دنیا کا عدم ہو یا وجود اور اس کے اندر کا ہست ہو یا نیست سب کچھ خدا کے علم و قدرت کے سامنے ہے، نہ ایک ذرّہ اس سے غائب ہے، نہ اس کی قدرت سے دور، اس علم و قدرت کا بہترین مظاہرہ ہر چیز کی پیدائش اور اس کے ظروف و احوال کے تقاضوں کی رعایت ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس جگہ اور ماحول کے لیئے بنایا، اس کی مناسبت سے اسے تخلیقی مراعات سے نوازا، ہوا مین سانس لینے والے حیوانون کے ناک نتھنے بنائے اور پانی مین زندہ رہنے والے کے لیئے گل پھڑے بنائے؛ فضائی پرندون کے لیئے صرف پر کے بازو بنائے، اور مرغابی کے لیئے پنکھے کے ساتھ پیرون کی انگلیون کے درمیان جھلّیان بھی پیدا کین، تاکہ تیرنے مین آسانی ہو، عام جانورون کے گھر مین شگاف بنائے، مگر بوجھ لادنے والے جانورون کے کھُر مین شگاف نہین بنایا، تاکہ وہ ریگستانی اور پہاڑی راستون کو آسانی سے طے کرسکین،

غرضکہ ہر چیز کو اس کے حالات ورجحانات کے مطابق قدرت نے بہترین خلقت دی، اور اس مین کوئی کمی نہین باقی رکھی جو اس کی زندگی مین خلل انداز ہو۔

یہ چیز اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس کا علم، وجود و عدم اور ہست و نیست کی حدود و قیود سے آزاد ہے، اور اس کی قدرت کے لیئے کسی چیز کے حال اور مستقبل کا فرق کوئی حقیقت نہین رکھتا، بلکہ وہ عین وقت پر یا اس سے پہلے ہی جب چاہے کام کرتی ہے،

پس اے انسانو! تم اس کے علم و قدرت سے بچکر کہان جاسکتے ہو؟ اور اس سے بغاوت

کر کے کہاں سما سکتے ہو؟ خدا کے علم و قدرت نے تمہاری خلقت کو نہایت اچھے پیمانے پر کیا ہے
تم اس کے جواب مین کیا کر رہے ہو؟

قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَةُ
اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ، بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ
فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِکُوْنَ۔

آپ کہہ دیجئے کہ تم ہی بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس خدا کا عذاب آجائے یا
قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے علاوہ اور کسی کو پکاروگے؟ اگر تم لوگ
سچے ہو، بلکہ اس خدا کو پکاروگے، پس اگر وہی چاہے گا تو اس بلا کو دور
کرے گا جس کے لیے تم اسے پکارتے ہو، اور تم ان چیزون کو بھول جاؤگے
جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (پ ۷۔ ع ۱۰)

تجربات و مشاہدات کی دنیا مین اس حقیقت سے انکار دن مین آفتاب کے انکار کے م
ہے کہ سرکش سے سرکش ذہن جب اس کی تمام چوکڑی بھول جاتی ہے، تو تیر کی طرح سید
ہوجاتا ہے، اور ویسے نہین تو ایسے قول و قرار کی زندگی اختیار کرتا ہے، اور اس حقیقت
کی طرح یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ مجبوری کی نیک روی کسی کام کی نہین ہوتی اور جو
ہونا ہوتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے،

یہی حقیقت ہے جو فرعون جیسے منکر خدا، ناحق شناس اور شریر انسان تک
آخری وقت ظاہر ہوئی جب کہ وہ دریائے نیل کی موجون مین گھر کر اپنی زندگی سے مایو
ہونے لگا تو ایمان باللہ کا اعلان کرنے لگا، مگر اس کا یہ اعلان نیل کی مہیب موجون کی

ہو کر رہ گی، اور اس کا کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو سکا، یہ تو ایک حقیقت ہے اب اسی کے ماتحت آپ سوچئے کہ آج بھی بڑے بڑے دہریئے، لامذہب، منکر خدا، روحانیت کے باغی، اور تقدیر خداوندی کا مذاق اڑانے والے جب زندگی کی الجھنون مین پھنستے ہین، اور اپنی باغیانہ تدبیرون سے عاجز ہو جاتے ہین، تو بے ساختہ اسی خدا پر ان کی بھی نظر جاتی ہے، جس کے وہ منکر ہوتے ہین، اور جو رب السموات والارض ہے، اس حقیقت کی لپیٹ مین آج کی باغی دنیا کے بڑے بڑے باغی آتے رہتے ہین، اور قدرت کا یہ تماشا ظاہر ہوتا رہتا ہے، کہ ویسے نہین تو ایسے خدا کا اقرار کرو، پس جب یہ حال ہے تو تم کیون ایسا نہین کرتے کہ برے دن کی بلاکتون سے بچے ہوئے اچھے دنون ہی مین اسی خدا کو پکارو جس کے قبضۂ قدرت مین اچھائی اور برائی کی لگام ہے،

سکون و اطمینان اور امن و امان کی گھڑیان کیون تمھین خدا سے باغی بنا دیتی ہین، اور جب زندگی کے مکروہ دن گرہ دن دباتے ہین تو جبر و اکراہ سے اس کے در پر جاتے ہو، ایسا جانا خوش بختی، و خوش نصیبی حاصل کرنے کے لیئے نہین ہوا کرتا ملکہ اپنی بدبختی و بدنصیبی کی سزا بھگتنے کے لیئے ہوتا ہے، اے لوگو! سمجھو اور عدوان و شرارت سے باز آجاؤ،

رسالت

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ،

اور تحقیق کہ بھیجا ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولون کو، ان مین سے بعض کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیئے ہین، اور بعض کے واقعات نہین بیان کیئے، (پ ۲۴۔ ع ۱۳)

اسلام مین "ایمان بالرسل" بنیادی درجہ رکھتا ہے، کوئی شخص تمام دوسرے اسلامی اعتقادات وتصورات کو مان لے، مگر ساتھ ہی خدا کے کسی ایک نبی اور رسول کی حقانیت کو تسلیم نہ کرے تو وہ قطعی طور سے خارج از اسلام ہوگا، اور مسلمان نہین ہو سکتا

قرآن کہتا ہے کہ خطۂ ارضی کا کوئی گوشہ ایسا نہین ہے، جہان خدا کا نذیر نہ پہنچا ہو، اور خدائی احکام و اوامر کی تبلیغ نہ کی ہو، نیز قرآن نے بتایا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کے پاس خدا کے پیغامبر آئے، اور اس قوم کی زبان مین آئے، ان کے خطاب کا وہی طریقہ اور لب ولہجہ تھا جو ان کی قوم کا تھا، پس ان تصریحات کے بعد ایک مسلمان کا عقیدہ ہوتا ہے کہ روئے زمین پر جس قدر خدا کے پیغمبر آئے، ان کا آنا برحق ہے، ان کی تعلیمات برحق ہین، اور اپنے وقت مین ان کے احکام و اوامر برحق تھے، نیز اس زمین کا کوئی ملک تو درکنار کوئی علاقہ ایسا نہین ہے، جہان انبیاء و رسلؑ کی تشریف

آدری نہ ہوئی ہو، بلکہ ہر علاقہ مین وہان کی قوم اور زبان مین انبیاء و رسل کی بعثت ہوئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ قرآن نے اپنی ابتدائی مخاطب قوم کے علم و ماحول کا لحاظ فرماتے ہوئے ان ہی کے اطراف وجوانب کے انبیاء و رسل کے اسماء و حالات بطور مثال کے بیان کر دیئے تاکہ قرآن فہمی کے ابتدائی مخاطبون کے لئے آسانی ہو،

اسی حقیقت کو اوپر کی آیات مین بیان فرمایا جا رہا ہے، کہ قرآن مین جن نبیون اور رسولون کا ذکر ہے وہ اپنی جگہ پر ہین، ان کے علاوہ بھی اس روئے زمین کے ہر علاقہ اور ہر زبان رسول آئے ہین، وہ بھی برحق ہین، اجمالی طور سے ان پر بھی تم ایمان لاؤ، اب ہم مسلمان جن نبیون اور رسولون کے نام اور حالات کی خبر اپنے قطعی طریقون سے پاتے ہین، ان کے اسماء و حالات سمیت ان پر ایمان لاتے ہین، اور جن کے نام یا حالات ہمین اپنے قطعی اور یقینی طریقون سے نہین ملے ان پر اجمالی ایمان لاتے ہین، دنیا کا ہر مذہب دوسرے کے پیشواؤن کا انکار کر کے مکمل ہوتا ہے، مگر اسلام سب پر ایمان لاکر پورا ہوتا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔

اور ہم نہین بھیجتے ہین رسولون کو مگر وہ بشارت دینے والے ہوتے ہین، یا ڈرانے والے ہوتے ہین، اس کے بعد جو لوگ ایمان لاکر عمل صالح کرتے ہین، ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہون گے اور جن لوگون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا ان کے فسق کی وجہ سے ان کو عذاب پکڑے گا۔ (پ۷ ع۱۱)

اندازِ تکمیل اور ہواؤں کی نمیوں کے امتزاج سے دہلوا دیتی کی صورت پید
ہے، چنانچہ صحت اور بھلائی کے لیے یہی دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، یعنی
حالات و واقعات کے نتائج کی ناگواری سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے، اور اس کو انذ
ہیں اور یا ان کی خوشگواری کی خوشخبری دی جاتی ہے، اور اس کو تبشیر کہتے ہیں، اور
اسلام کا مشن چونکہ دنیا کے لیے درمیانی زندگی کا داعی ہوتا ہے جس میں نہ سراسر
قنوط اور یاس و حرمان نصیبی ہو کہ انسان جیتے جی مر جائے اور بہائمیت اور جوگ
بسر کرنے لگے، اور نہ ہی اس میں سراسر خوشخبری و بشارت ہی ہو کہ انسان خوشی و م
میں پڑ کر رات دن خرمستی کرتا رہے، اور زمین پر شر و فساد کی گرم بازاری برپا ک
آس و یاس اور امید و ناامیدی کے درمیان   انبیاء علیہم السلام ایسی راہ پیش کر
جس کا اعتدال کامیاب و کامران نتائج کا ذمہ دار ہوتا ہے،

چنانچہ جو لوگ اس راہ پہ آجاتے ہیں اور تسلیم و رضا کے بعد عمل و کردار کا مظا
ہیں، ان کے لیے عواقب و نتائج کی تمام اچھائیاں ہوتی ہیں، اور ان کو زندگی کی
موڑ پہ رنج و غم اور حزن و ملال کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا، بخلاف اس کے جو لوگ خدا ک
اور اس کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، اور اپنی غلط روی پہ قائم رہتے ہیں، وہ آل
اس ہولناک خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کے بعد کوئی خرابی نہیں،

آج بھی جو لوگ امید و خوف کی درمیانی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی زندگی
کامیابی کی منزل پہ پہنچتا ہے، اور جو لوگ اباء و انکار کی روش اختیار کرتے ہیں، وہ
ناکام ہو جاتے ہیں،

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ سے پہلے مگر مردوں کو وحی
بھیجی ہم نے لوگوں کی طرف بس تم لوگ اگر نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر
سے دریافت کر لو

پ ۱۴ ع ۱۱

انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ نے انسانوں ہی کو بھیجا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ
آدمیوں کی ہدایت کے لیے جنات رسول بنا کر آئے ہوں، یا فرشتوں کو آسمان سے بھیجا گیا
ہو اور بشری رشد و ہدایت کے لیے غیر بشری قوت کو استعمال کیا گیا ہو،
کیونکہ اس صورت میں ذہنوں اور مزاجوں کا ٹکراؤ ہو جاتا اور اصلاح و احسان
کے بجائے فساد و بدی کا ظہور ہوتا، مزاجوں کا اختلاف سلسلۂ رشد و ہدایت کو توڑ کر
رکھ دیتا اور خدا کی پاک زمین خون و خرابے سے ناپاک ہو جاتی، اسی لئے قدرت نے ہر مخلوق
کی رہبری کے لیے اسی میں سے رہنما بھیجا، اور جس مخلوق کو جس قسم کی رہنمائی کی ضرورت
تھی، اس کے مطابق رہنما آئے،

اسی سلسلہ میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسان انبیاء و رسلؑ کی بعثت ہوئی،
تاکہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، باہمی تعلقات وسیع ہوں، عواطف و رجحانات کی ہم آہنگی
صحت مند ماحول کو پیدا کرے، اور نظام انسانی کی ہر حرکت مادیت و روحانیت کے امتزاج
سے اعتدال پر ہو سکے، پس جب یہ بات ہے تو پھر انسان کیوں تمنا کرتا ہے کہ اس کی
ہدایت کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوں، یا خدا خود رہنمائی کے لیے روپ بدل کر
دنیا میں براجمان ہو جائے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے داعی اللہ نہیں ہوتے، اللہ کے بندے

اور انسان ہوتے ہین، ان مین خدائی ذات اور خدائی صفات کا کوئی حصّہ جزو مشترک کے طور پر نہین ہوتا، بلکہ انبیاء و رسلؑ خدا کے بالکل قریب اور خدا سے بالکل الگ ہوتے ہین، پس جب انسانی ہدایت کے لیئے انسان ہی کام آتے ہین تو تم کہان بھٹک رہے ہو یا دوسری ہدایت کے لیئے ارباب علم و دین کی خدمت مین حاضر ہو کر اور ان سے معلومات حاصل کرو، عالم بننے والے جاہلون اور اپنے کو ہادی و مرشد ظاہر کرنے والے گمراہون کے پاس کہان جاتے ہو؟ ان حضرات سے معلومات لو جو خدا کے نیک بندے ہین اور جو انبیاء و رسلؑ کے علوم کے سچے وارث ہوتے ہین،

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝

اور نہین بنائے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائین اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہنے والے (پ ۱۷-ع ۱)

اسلام کے نظریۂ نبوت و رسالت مین اور غیرون کے نظریہ مین بڑا فرق اور بنیادی اختلاف ہے، اسلام مین نبوت و رسالت، بندے اور خدا کے درمیان ایک مقام یا ایک سفارت ہے، جس کی ذمہ داری انسانون کی جماعت مین سے برگزیدہ حضرات کے سپرد کی جاتی ہے، وہ آدمی ہوتے ہین، آدم زاد ہوتے ہین، جن اور فرشتے کی نسل سے نہین ہوتے، جسمانی مادون اور ان کی ضروریات کے ساتھ ہوتے ہین، وہ تندرستی، صحت و مرض کے عوارض سے دوچار ہوتے ہین، کھاتے پیتے ہین وہ عام انسانون ہی کے مانند ہوتے ہین، وہ صرف روح نہین ہوتے کہ نہ کھانے کی ضرورت ہو نہ پینے کی، او

پوری وحدت کا معاملہ پیدا ہو، بلکہ وہ جسم والے ہوتے ہیں اور جسم کے تمام تقاضے اور لوازم بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، پھر وہ عمر کے اعتبار سے بھی عام انسانوں سے مختلف نہیں ہوتے، ان کی عمر طبعی عام لوگوں کی عمر طبعی کے مطابق ہوتی ہے، خلود و دوام ان کے لئے نہیں ہوتا، یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے کامل و مکمل انسان ہوتے ہیں، اور ان کے اندر خدا کی ذات و صفات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، انبیاء کی یہ ذات و صفات تو اللہ جل جلالہ کی ذات اور صفات کے مقابلہ میں ہے، عام انسانوں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام معراج و ترقی کے انتہائی مرتبہ پر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ دنیا کا کوئی انسان ان کے مرتبہ کی ہوا تک نہیں پا سکتا، وہ خدا کے سب سے برگزیدہ اور پیاری مخلوق ہوتے ہیں، غیر نبی ازل سے لیکر ابد تک عبادت و ریاضت میں سرمارتا رہے مگر کسی نبی کے ادنی مرتبہ کو بھی نہیں پہونچ سکتا، نبوت و رسالت وہبی چیز ہے، یہ کمانے سے حاصل نہیں ہوتی، صرف خدائی عطیہ ہے، اور اس کے علاوہ تمام بزرگی کسبی ہے، اور انسان اسے کما کر حاصل کر سکتا ہے، پس کوئی نبی خدا کا شریک نہیں ہو سکتا، اور کوئی بزرگ نبی کا شریک نہیں ہو سکتا، نبوت نبوت، ولایت الگ الگ چیزیں ہیں،

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ، إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

آپ فرما دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں، اور مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، میں تو اس چیز کی اتباع کرتا ہوں جس کی وحی مجھ پر نازل کی جاتی ہے اور میں صرف

صاف ڈرانے والا ہون، (پ ۲۶ - ع ۱)

رسولون اور نبیون کی دنیا مین تشریف آوری اسی وقت سے جاری ہے جب سے کہ انسان نے گمراہی کی راہ اختیار کی، نور و ظلمت کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے، یہ حق و باطل کی آویزش کوئی نئی چیز نہین ہے، نبی آخر الزماںؐ کی تشریف آوری دنیا کے لئے کوئی عجوبہ روزگار چیز نہین ہے اس کی تعلیمات کوئی اچنبھا نہین ہے، اور اس کے احکام و اوامر انسان کی زندگی کے لیئے جانی پہچانی چیزین ہین، یہ رسول نہ انسانیت کی حد سے بالاتر ہو کر بات کرتا ہے، نہ ان خیالات کو پیش کرتا ہے، جن سے ذہن و دماغ نا آشنا ہون، بلکہ یہ ان ہی حقیقتون کو اجاگر کرتا ہے، جن پر انسان نے جان بوجھ کر پردہ ڈال دیا ہے، وہ سراسر انسانی ماحول کی گفتگو کرتا ہے، وہ خدائی علم و قدرت کا دعوی نہین کرتا، کہ تم اسے بت بنا کر پوجو، نہ وہ خدا کے قانون سے اپنے کو آزاد تصور کرتا ہے، بلکہ اس کا اعلان ہے کہ مین اپنی طرف سے کوئی دعوی نہین کرتا ہون بلکہ ان ہی باتون کی اتباع کرتا ہون جو میرے پروردگار نے مجھے بتائی ہین اور ان ہی باتون کو لیکر بلا لگی لپٹی کے تمہین ڈرا رہا ہون، پس تم میری دعوت کو مانو اور اس نقطہ نظر سے مانو کہ مین بھی آدمی ہون، آدمیون کے لیئے خدائی ہدایات پیش کرتا ہون، خود اس پر عمل کرتا ہون، دوسرون سے عمل کراتا ہون، نہ مین خدائی مین شریک ہون، اور نہ تم سے اپنی بندگی کے لیئے کہتا ہون،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ○

یہ وہ لوگ ہین جن کے متعلق خدا جانتا ہے کہ ان کے دلون مین کیا ہے آپ

ان سے برطرف ہو جایئے اور انہین وعظ سنایا کیجئے اور ان کے بارے مین

اُن سے اچھی بات فرمایا کیجئے (پ ۵ - ع ۷)

یہ درست ہے کہ رشد وہدایت دینا خدا کا کام ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ خدا ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ مگر خدا کے علم وقدرت کی وجہ سے ہادیون کی ذمہ داریان ختم نہین ہوسکتی ہین، اور رہنمائی کرنے والون کو اپنا کام جاری رکھنا پڑے گا یہ نہین ہوسکتا کہ وہ قدرت پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائین اور اپنے فریضہ کو ادا نہ کرین یہ دوسری بات ہے کہ گمراہون کی مسلسل گمراہی کو دیکھتے ہوئے ارشاد وتبلیغ کا طریقہ بدل دینا پڑے۔ اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیئے دوسری راہ اختیار کرنی پڑے - اور عام دعوت ہٹ کر ہٹ دھرمی کرنے والے کفار ومشرکین اور منافقین کے مناسب حال دعوت کا پہلو اختیار کرنا پڑے -

اوپر منافقون کا ذکر فرمایا گیا ہے، پھر ان کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ اے رسول! خدا ان کی رگ رگ سے واقف ہے، اور ان کے دلون کے کھوٹ کو وہ خوب جانتا ہے، یہ لوگ رشد وہدایت پانے کی تمام استعدادون اور صلاحیتون سے محروم ہوچکے ہین، اور ان کے لیئے محرومی وناکامی ثبت ہوچکی ہے، مگر آپ اپنے منصب جلیل پر رہتے ہوئے ان سے اس طرح دور رہیئے کہ ان کو اسلامی زندگی کا شریک نہ سمجھئے اور ان کی چالون سے اسلامی معاشرہ کو محفوظ رکھیئے مگر ساتھ ہی اپنے کام کو کئے جایئے، جہان تک رشد وہدایت اور وعظ سنانے کا تعلق ہے آپ اتمام حجت کے لیئے وعظ ونصیحت کی باتین ان کو سنایا کیجئے، اور ان کے بارے مین ان سے ایسی باتین کہیئے جو ان کے دلون مین لگ جائے، اب یہ خدا کا کام ہے کہ وہ ان کو اس کے قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے، یا نہین، آپ اپنا کام کرتے رہیئے خدا اپنا کام کرے گا، آج بھی رشد وہدایت کی یہی سبیل جاری ہے، اور رہے گی، گمراہون کی گمراہیون اور بے راہ روُون کی بے راہ

رویون سے کبیدہ خاطر ہو کر ارباب رشد و ہدایت بیٹھ نہین جائین گے، بلکہ وہ اپنا فریضہ موقعہ
حال کی مناسبت سے ادا کرتے رہین گے ،

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ،
وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥

آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری راہ ہے کہ مین اللہ کی طرف دعوت دیتا ہون، مین
اور میرے ساتھی ایک "بصیرت" پر ہین اور اللہ کی ذات پاک ہے اور مین
شرک کرنے والون مین سے نہین ہون ، (پ ۱۳- ع ۶)

اسلام کوئی ڈھکی چھپی چیز نہین ہے اور نہ ہی دنیا کے لیے اس مین کسی قسم کے شک و شبہ
کی گنجائش ہے، اس کی دعوت بہت صاف ستھری اور بے غبار ہے، نہ اس مین رنگ آمیزی۔
نہ مجاز پرستی، بلکہ وہ سراسر حقیقت ہے ، اور کھلی ہوئی روشنی ہے، اس کی دعوت صرف توحید کی
دعوت ہے، جس مین نہ یہودیت و مسیحیت کی طرح توحید کے حصے بخرے ہین، نہ دوسرے
مشرکون کی طرح مظاہر پرستی اور مجاز نوازی ہے بلکہ وہ حنفیت کی دعوت ہے، جس مین خدا کی ذات
کی طرح خدا کی صفات کی بھی توحید ضروری ہے، اور خدائی ذات مین نہ کوئی ملک مقرب شریک
ہے، نہ بشر مکرم، جہان تک خدا کی ذات و صفات کا تعلق ہے، اسلامی توحید کے نقطۂ نظر
سے اس حد مین کسی غیر خدا کی ذات و صفات کا داخلہ نہین ہے، پھر یہ دعوتِ توحید و خدا پرستی
صرف نظریۂ و خیال تک محدود نہین ہے، بلکہ اس کے داعی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز
پر لبیک کہنے والے حضرات عزم و یقین اور علم و بصیرت کی چٹان پر جمے ہوئے ہین، اور وہ
لوگ اس دعوت کو صرف زبان ہی سے پیش نہین کرتے، بلکہ عمل و کردار سے بھی یہی دعوت

دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں۔

اسلامی توحید دیگر مذاہب کی طرح صرف ایک خیالی اور تصوری بات نہیں ہے کہ جیسے چاہو اسے مان لو، بلکہ اسلام کی اس دعوت کے لئے، وہ طاقت موجود ہے، جو اقرار لسان تصدیق جنان اور عمل ارکان کے ایک جگہ مل جانے سے پیدا ہوتی ہے، اور جسے پا جانے کے بعد انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ خدا پرستی کے بارے میں اب میں ایک ٹھوس "بصیرت" اور نہ ختم ہونے والی "عزیمت" کا مالک ہوں۔ اور خدا پرستی کی اس راہ سے اب مجھے کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی، اور دوسرے تصورات و خیالات مجھ پر راہ نہیں پا سکتے،

آج کے مسلمان توحید پرستی کے ضرور دعویدار ہیں، اور وہ خدا کی واحدانیت کے قائل ہیں، مگر اعتقاد کی کمزوری اور عمل کے فقدان کی وجہ سے ان کو وہ "بصیرت" کا مقام حاصل نہیں ہے، جس کے مل جانے پر انسان سب کو پا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح دین کے سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو سن لو میں ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا ہوں جن کو تم خدا کے علاوہ پوجتے ہو، لیکن میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں، جو تمھیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں سے بن جاؤں،

(پ ۱۱ - ع ۱۲)

اسلام کی دعوت اور اس کے اعمال وعقائد دنیا مین پوشیدہ رہنے کے لیے نہین آئے مین، بلکہ ان کا منشا ہی یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم، ہر جماعت، ہر نسل، ہر بستی، ہر آبادی اور ہر گوشہ مین ان کی تبلیغ کی جائے، اس لیے اس کی دعوت مین ایچ پیچ اور رکھ رکھاؤ نہین ہے، اس کی پکار یہ ہے کہ اے انسانو! اسلام کے متعلق یہ حقیقت سمجھ لو کہ اس مین شرک اور کفر کی قطعی گنجائش نہین ہے، نہ خدا کی ذات مین کوئی چیز شریک کی جاسکتی ہے، نہ اس کی صفات مین تسلیم کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہان تو صرف اس خدائے واحد کی پرستش ہوتی ہے، جو موت وحیات کا مالک ہے، جو کائنات کو زندگی اور مرگ سے دوچار کرتا ہے، پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ ان حقائق کو کھول کھول کر آپ دنیا کے انسانون کو سنا دین تاکہ اس دعوت مین کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہ جائے،

ایک مسلمان کی زندگی کو اسی عقیدۂ توحید کا ترجمان ہونا چاہیئے، اس کے چہرے بشرے چال ڈھال اور عمل وکردار سے اسی وحدت پرستی کا مظاہرہ ہونا چاہیئے، مسلمان بتائین کیا آج وہ اس زندگی کے حامل ہین؟ یا ان کے اعمال وعقائد اس کے خلاف ہین،

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور یہ کہ آپ سیدھا کرین اپنا منہ دین پر حنیف ہو کر اور نہ ہون آپ مشرکون سے،

اللہ اللہ! جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مقام عبدیت کے انتہائی معراج پہنچ چکی ہو، توحید پرستی مین مجموعی حیثیت سے دنیا کے تمام لوگون سے آگے ہو جس کی تعلیم مین حنیفت کوٹ کوٹ کر بھری ہو، جس کے عمل مین ملت حنیفت کے لیے روح ہو، اس

رسول کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ آپ بالکل حنیف بن جائیے، اور وحدت کی راہ میں عزم

واستقامت اختیار کیجئے اور خبردار ان لوگوں سے ہرگز نہ بنیئے، جو خدا کی ذات میں یا اس کی صفات

میں اغیار کو شریک کرکے "مشرکین وکفار" کا بدترین لقب حاصل کر چکے ہیں،

ملت اسلامیہ کے فرزند بتائیں کہ ان کے رسول کو خطاب کرکے یہ دعوت کسے دی جا رہی

ہے، کن لوگوں کو مشرکین کی راہ سے دور رکھنے کے لیئے یہ فرمایا جا رہا ہے؟ اور کون لوگ ہیں جن

سے کہا جا رہا ہے کہ وہ دین حنیف کی اتباع پورے طور سے کریں؟

افسوس کہ مسلم قوم دنیا میں اپنے نظریۂ وحدت سے دور ہو کر اپنی ہر قسم کی وحدت سے

محروم ہو چکی ہے، توحید پرستی ہاتھ سے کیا گئی وحدت قومیہ گئی، وحدت اسلامیہ پارہ پارہ

ہوئی، وحدت فکر وخیال کے پرخچے اڑ گئے، وحدت عمل وکردار کی دھجیاں بکھر گئیں، اور مسلمان

دنیا میں لامرکزیت کے شکار ہو گئے، سچ ہے جب کوئی قوم اپنے اصلی مرکز سے ہٹ جاتی ہے،

تو اس سے سب کچھ چھین جاتا ہے،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

آیا ہے تمہارے پاس تم میں ہی سے ایک رسول جس پر تمہاری بے راہ

روی نہایت گران ہے، وہ تمہاری بھلائی پر بہت ہی حریص ہے،

مومنوں کے لیئے نہایت شفیق مہربان ہے،

دنیا ظلم ومعصیت کی تہ بتہ سیاہیوں میں دفن تھی، انسان اخلاق وروحانیت

سے اندھا بن چکا تھا، انسانیت جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں گم تھی، چراغ

ے کر زمین تک ہر چیز کی ربوبیت کے مظاہر دیکھنے میں نظر آتے تھے آدمی اور زمین اور

پتھروں، شجر و حجر، پہاڑوں اور دریاؤں کے قالب میں ڈھل گئی تھی، شرارت و بغاوت

کی دیویاں لگ رہی تھیں، ایک دیوی کی قربانی تھی، جس کی پوجا بڑے پیمانے پر ہوتی تھی، آتش کدوں میں

اور دیوتاؤں کی قدر بڑی مجسم ہو رہی تھیں، معبدوں میں کفر و شرک کی فراوانی تھی، انسانوں

میں ستارہ پرستی نے حقیقت کو پامال کر دیا تھا۔

یہ حال صرف ایک سرزمین ہی کا نہیں تھا یہ تباہی صرف عرب پر مسلط نہیں تھی، یہ حال

صرف جزیرہ عرب کا ہی نہ تھا، اور یہ حالت کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم ہی کو اپنی لپیٹ میں

لیے ہوئے نہ تھی، بلکہ کائنات ارضی کا ہر ذرہ اس کا آئینہ دار تھا، انسانیت کا ہر فرد

اسی میں گرفتار تھا، اور آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کی بستی بری طرح تباہ و برباد ہو رہی

تھی۔ ان ہی حالات میں مشرق و مغرب سے ایک رسول پیدا ہوا تھا جس نے دنیا کی کایا پلٹ

دی، اور صرف چند سالوں میں انسانیت کو اس کی راہ پر لگا دیا۔

اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مقصد صرف انسانی ہدایت تھا، وہ انسان

کی بدحالی پر اشکبار ہو جاتے، اس کے لیے ہر طرح کی مصیبت اٹھائی، اور سب کچھ برداشت

کی خدمت کی، اس کی زندگی پیغام حق تھی، اس کا وجود رحمت بنا، اور اس کی حرکات و

سکنات بلاغ و تبلیغ تھیں، بس اس محسن پر ہزاروں درود و سلام بھیجو، اللھم صل علی

سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم۔

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ

مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

اگرچہ آپ حرص کریں، لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہو سکتے، حالانکہ آپ
رشد و ہدایت پر ان سے اجرت نہیں مانگتے ہیں، وہ تو صرف تمام
عالم کے لئے ذکر و نصیحت ہے۔ (پ ۱۳، ع ۵)

مبلغین و ہداۃ ہمیشہ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کی دعوت زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر زیادہ سے زیادہ چلیں، انھوں نے جو روشنی پھیلائی ہے، دنیا کے لیے زیادہ سے زیادہ کام آئے، اگر کوئی مصلح یا ہادی اس حرص و آرزو سے خالی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مقام، اصلاح و ہدایت کی بلندی سے ناواقف ہے اور رشد و ہدایت کے بارے میں اس کے اندر شدت و عزیمت نہیں ہے۔

پس داعیوں اور مصلحوں کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ دنیا ان کی راہ پر زیادہ سے زیادہ چلے یہی ان کی کامیابی ہے، اور یہی ان کا مشن ہے، ان کو نہ اجرت کی طلب ہوتی ہے نہ عزت و آبرو کی چاہ ہوتی ہے، اور نہ عہدہ و منصب کی خواہش ہوتی ہے، وہ تو صرف لوگوں کو راہ راست پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرما رہا ہے، کہ اے اللہ کے رسول! انسان بہت ہی بے راہ رو ہوتا ہے، آپ لاکھ چاہیں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ضلالت و گمراہی سے بچکر رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے لگیں، لیکن یہ بدقسمت اور بد باطن مسلمان نہیں ہو سکتے، آپ کی باتوں کو تسلیم نہیں کر سکتے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے، کیونکہ بغض و عناد میں بھرے پڑے ہیں، یہ صداقت کے نام تک سے بیزار ہیں، اور یہ صورت حال اس وقت برپا ہے، جب کہ آپ کوئی تمنا نہ اور اجرت نہیں چاہتے، اگر کہیں آپ کچھ بدلہ چاہتے تو ان کی حالت نہ معلوم کیا ہوتی۔

آج بھی یہ صورتِ حال برپا ہے کہ لوگ اپنے ہادیوں کو گالیاں دیتے ہین، اور ان کے منہ نوچتے ہین۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝

اور اے قوم یہ کیا ہے کہ مین تو تم کو نجات کی طرف دعوت دیتا ہون اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ مین اللہ کے ساتھ کفر کرون اور ایسی چیز کو اس کا شریک بناؤن جس کا خود مجھے علم نہین ہے، اور مین تمہین عزیز غفار کی طرف دعوت دیتا ہون۔ (پ ۲۴۔ ع ۱۰)

حق و باطل کی آویزش آج کی نئی چیز نہین ہے، بلکہ جب سے اس دنیا کے سیاہ و سپید مین نور و ظلمت کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور اجالون اور اندھیرون کی حقیقتین جدا جدا ہوئین جب ہی سے حق و باطل کی دست و گریبانی بھی جاری ہے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو جس طرح اندھیرے کے بغیر اجالے کی قدر نہین ہو سکتی، اسی طرح باطل کے بغیر حق کی شناسائی مین سخت دشواری پیش آتی، کیونکہ اس دنیا کے امتیاز مین ہر چیز اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

اسی لیئے پرستاران حق و صداقت کے مقابلہ مین علمبرداران کفر و باطل بھی ہمیشہ رہا کیئے ہین اور دونون کی آویزش مین دنیا کو ہدایت کی راہ ملا کی ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت

کو ایک ایسے مردِ مجاہد کی زبانی نقل فرمایا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر بنی اسرائیل کو بھلائی کی دعوت دیتا تھا، اور فراعنہ مصر کے خلاف ان کو آمادہ کر رہا تھا، اس کی دعوت سراسر حق تھی مگر بنی اسرائیل اس کو قبول کر لینے کے بجائے خود اس کے سامنے اپنی ہفوات کو پیش کرتے تھے آج بھی یہی معاملہ درپیش ہے اور ہر مصلح کے سامنے اس کی دعوتِ اصلاح کے جواب میں کئی قسم کی باتیں آتی ہیں، بلکہ باتوں سے گذر کر معاملہ زد و کوب اور ایذا رسانی تک پہنچ جاتا ہے، پس اس صورتِ حال سے گھبرانا نہیں چاہیے، اور جم کر کام کرنا چاہیے۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ

یقیناً تم لوگ جس بات کی مجھے دعوت دیتے ہو، اس کے لئے دنیا اور آخرت میں کوئی دعوت نہیں ہے، اور ہم سب کی واپسی خدا کی طرف ہے، اور حد سے گذرنے والے جہنمی ہیں۔ (پ ۲۴ — ع ۱۰)

مصلحین کی دعوتِ اصلاح کے جواب میں کئی قسم کی مخالف آوازیں اٹھتی ہیں، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دعوتِ اصلاح کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے تحریک جاری کو رد کر دیتے ہیں اور پوری طاقت سے صحیح آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اس دعوتِ اصلاح کی کامیابی میں اپنے خیالات و نظریات کی یا اپنے اثر و اقتدار کی موت سمجھتے ہیں، چنانچہ موسوی دعوتِ اصلاح کے مقابلہ میں فرعون اور اس کے ہمنواؤں نے تشدد پسند تحریک جاری کی، اور اس

افساد و تخریب کے لیے مناد اور دعاۃ بھی مل گئے۔ ان ہی لوگون کو خطاب کرکے ایک سرگرم مبلغ حق وحقانیت نے کہا کہ ہماری دعوتِ اصلاح کے مقابلہ مین تم نے جس دعوت کو برپا کر رکھا ہے، اس کے لیے دنیا و آخرت مین کوئی مقام نہین ہے، بلکہ یہ صرف چند عیش پرستون اور جاہ پسند دون تک محدود ہے، اس مین ہمہ گیریت کا مادہ نہین ہے، اور نہ ہی اس کے لیے دوام ہے، کیونکہ اس کا مقصد صرف حق کا مقابلہ کرنا ہے، کوئی صحیح بات پیش کرنا نہین ہے یہی معاملہ ہر اس تحریک کا ہے جو کسی تحریک کو دبانے کے لیے اٹھائی جاتی ہے۔

فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

مین جس بات کو تم سے کہہ رہا ہون تم عنقریب اسے یاد کروگے اور مین تو اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کرتا ہون، بیشک اللہ بندون کے حالات کا دیکھنے والا ہے۔ (پ ۲۴ ع ۱۰)

دعوت و تبلیغ کی راہ مین کئی ایک مشکلات آتی ہین اور اصلاح و احسان کا دامن کئی طرح کی خاردار جھاڑیون مین الجھتا ہے، مگر ارباب کار تمام مشکلات سے دامن بچاتے رہتے اپنا کام مین مصروف رہتے ہین، ان کو مخالفین کی ہر بات پر الجھ جانا نہین آتا، وہ معمولی معمولی باتون کے لیے اپنی عظیم الشان تحریک مین الجھاؤ نہین پیدا کر سکتے، بلکہ نہایت سادہ اور مختصر سا جواب دے کر اپنے کام مین مصروف ہو جاتے ہین، کیونکہ اگر وہ ان باتون مین الجھ کر رہ جائین تو پھر وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مشن مین ناکام ہون گے بلکہ مخالفین کی مخالفانہ سرگرمیون کو کامیاب بنا دین گے، آخر مخالفین یہی تو چاہتے ہین کہ مصلحون کی اصلاحی تحریک مدہم پڑ جائے اور ہماری

روک دے ہیں اگر مبلغین و مصلحین اپنا کام چھوڑ کر مخالفین کے جال مین
پھنس گئے تو یہ سراسر ناکامی ہوگی، چنانچہ بنی اسرائیل مین اصلاحی کام کرنے والون کا یہی
رویہ رہا ہے کہ انھون نے ایک بنیادی بات کہہ کر اپنی راہ جاری رکھی، چونکہ دعوتِ اصلاح
اپنے نتائج کے اعتبار سے اہم ہوتی ہے، اور اس مین عجلت پسندی نہین ہوتی کہ چٹ پٹ
فائدہ نظر آنے لگے، اس لیے مخالفین عموماً اس کا فائدہ ہی پوچھتے ہین، جب بنی اسرائیل نے
یہ حرکت کی، تو ان کے داعی نے کہدیا کہ تم مستقبل قریب مین یاد کروگے کہ اللہ کا داعی سچ
کہہ رہا تھا،

اب بھی دعوتِ اصلاح کا یہی طریقہ کامیاب ہے کہ اپنے کام مین لگے رہا جائے
اور مخالفون کو دو لفظون مین جواب دے کر اپنا کام کیا جائے،

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا، فَاِنْ
تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔

اور تم لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور ساتھ ہی
بچتے رہو، پس اگر پھر جاؤگے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صاف
طور سے پہنچا دینا ہے اور بس۔ (پ ۷ ـ ع ۲)

اللہ اور رسول کی اطاعت ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے اہم بلکہ اوّل و آخر مقصد
ہوتا ہے، اس کے بعد پھر کسی قانون کی پابندی مسلمان کے لیے نہین ہے، کیونکہ زندگی کے لیے
جس قدر صالح قانون اور کارآمد اصول درکار ہین، وہ سب کے سب اللہ و رسول کی اطاعت
ہی مین موجود ہین، اور ان کے بعد کسی چیز کی ضرورت باقی نہین رہتی ہے، لیکن قرآن حکیم کا

ارشاد ہے کہ ہر مسلمان کے لئے اللہ و رسول کی تابعداری کے بعد "خذر" ضروری
خدائی اصولِ حیات کے بعد انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو بہت ہی ذمہ
قرار دے، اور ہر معاملہ مین نہایت ہی غور و فکر اور ہوش و عقل سے کام لے کر قدم
خدا کے متعلق جو عقائد و تصورات ہین ان مین بہت ہی احتیاط برتے نہ اتنا غلو کرے کہ
عقائد و تصورات سے آگے بڑھ جائے، نہ اتنی غفلت برتے کہ کفر و اسلام مین اور
پرستی مین کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے، اور خدا کی ذات و صفات مین دنیا کے
مذاہبِ باطلہ کی طرح آمیزش نہ ہو جائے، اسی طرح رسول کے مقام کو بھی شدت
محفوظ رکھے اور افراط و تفریط کر کے مقام رسالت پہ حرف نہ آنے دے، نہ کسی نبی
معمولی درجہ کے انسانون کے درجہ پہ رکھے، اور نہ ہی اسے انسانیت کی سطح سے اٹھا
خدا کے ہمدوش کر دے، بلکہ نبی کی نبوت کو انسانیت اور خدا کے درمیان کا ایک
مقام سمجھے اور یہی سمجھ کر عمل کرے، نیز خدا و رسول کو مان کر زندگی کے ہر معاملہ مین
ہی احتیاط برتے، اور ہر بات مین چھان بین کر قدم اٹھائے تاکہ اس کی ذمہ دار زند
کبھی غیر ذمہ دارانہ بات کے پیدا ہونے کا باعث نہ بنے، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی
آنے کے بعد انسان کی زندگی بہت ہی ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتی ہے، لہذا اسے
ہی احتیاط سے کام کرنا چاہیئے، اور کوئی حرکت غیر ذمہ دارانہ نہ ہونی چاہیئے، مسلما
تبائین کہ وہ اسلام پہ رہنے کے بعد اپنی زندگی کو کس درجہ مین ذمہ دار قرار دیتے ہین
ان کی حرکت کس قسم کی ہو رہی ہے،

کتاب

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

جن لوگون کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس طرح اس کی تلاوت کرتے ہین کہ تلاوت کا حق ادا کرتے ہین، یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ ناکام ہین،

(پ ۱۔ ع ۱۴)

الکتاب اس قانون حیات کا دوسرا نام ہے، جو دنیا کی ہستی کے لیئے ابدی اور آخری لائحہ عمل ہے، اس مین زندگی کے تمام ظاہر و باطن پہلوؤن کی رہنمائی کی گئی ہے، اور زندگی کے ایک ایک رجحان سے مطالبہ کیا گیا ہے، کہ وہ اپنے رہنما کی پیروی کر کے محسن کا حق ادا کرے،

پس جو لوگ قرآن حکیم کو صرف پڑھ لیتے ہین، اس کے حروف و آیات کو فقط زبان سے ادا کر لیتے ہین اور برکت حاصل کرنے کے لئے نئے مکانون اور نئی دکانون کی تقریب پر مردون کے تیجون فاتحون اور برسیون کے موقعہ پر اسے کھول لیتے ہین اور پھر بند کر کے اس طرح طاق نسیان مین رکھدیتے ہین کہ وہ صرف تبرک حاصل کرنے کے لیئے تھا، اور برکت حاصل ہو گئی، وہ لوگ قرآن کی تلاوت اس کے حق کے مطابق نہین کرتے کیونکہ

اس کا حق یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے، اور پڑھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ مذکورہ بالا
ین قرآن کی تلاوت ضرور ہو جاتی ہے، اور اس کے نتائج کا ظہور بھی ہو جاتا ہے
حاصل ہو جاتی ہے، مردوں کو ثواب پہنچ جاتا ہے، مگر صرف اتنا کرنے سے قرآن
ادا نہیں ہوتا، اور اس کا مطالبہ پڑھنے والوں کی گردن پر سوار رہتا ہے،

البتہ جو لوگ اس کی ود آیت کی تلاوت کرتے ہیں، اس پر غور کرتے ہیں، اور
عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ قرآن
تمام برکات و نتائج کی توجہ اُن کی طرف ہوتی ہے، اور وہ ذمہ دارانہ زندگی کی بر
سے مالا مال ہوتے ہیں، ان پر قانونِ قدرت کے خوشنما نتائج اپنا اثر دکھاتے ہیں، ا
ین سرور و شادمانی اور عزت و آبرو کے سرمایہ کے ساتھ ساتھ آخرت ین خوش بختی و خ
کا انعام ان کو ملتا ہے

اے مسلمانو! قرآن کو سمجھ سمجھ کر پڑھو، اور پڑھ کر اس کے تقاضوں پر عمل کرو
یہ قرآن تمہارے لیئے حجت اور دلیل بن سکے، اور خود تم پر حجت اور دلیل نہ بنے، ا
اپنے نظامِ زندگی کی محض تلاوت کر کے، اس کے حقوق سے سبکدوش نہین ہوتی تو مسلم
صرف قرآن کی تلاوت کر کے اس کے حقوق سے کیسے سبکدوش ہو سکتی ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ
وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا،

ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم
خدا کی بخشی ہوئی بصیرت کے ساتھ لوگوں ین فیصلہ کرو، اور تم خائن

اسلام کا نشانہ دنیا مین ایسی صالح اور پاکیزہ زندگی برپا کرنا ہے، جو ہر طرح کی جانبداری، پاسداری اور طرفداری سے پاک ہو، اور جو بات حق ہو ہر جگہ، ہر محفل اور ہر شخص کے بارے مین برملا کہی جائے، یہ بے لاگ لپٹی اور پاک صاف زندگی اسی قانونِ حیات کے سرچشمے سے مل سکتی ہے، جسے "قرآن" کہا جاتا ہے اور جو اسلام کی الہامی کتاب ہے۔

یہ قرآن اسی لیئے آیا ہے کہ انسان اسے عملی زندگی مین برتین اور اس پر عمل کرین یہ صرف نظریات کی کتاب نہین ہے، نہ کوئی صرف فکری دعوت ہے، بلکہ اس کی فکری دعوت بھی عمل ہی کے لیئے ہے، پس تم اس سے فکر و عمل کے لیئے بصیرت حاصل کرو، اور اپنی زندگی کو عدل و انصاف کے ایسے سانچے مین ڈھالو جس مین کجی کا نام و نشان تک نہ ہو، اور اپنون کے لیئے یا غیرون کے لیئے جو بات بھی کہو دو ٹوک کہو، اور دودھ کو دودھ پانی کو پانی کر کے رکھو، خبردار عدل و انصاف اور حق کے بارے مین کسی طرح کی طرفداری نہ کرنا، ورنہ دنیا اور آخرت مین برے نتائج کے سزاوار ٹھہروگے اور خدائی گرفت تمھین بھی ظالمون اور حق ناشناسون کے زمرہ مین داخل کر دے گی، مسلمان غور کرین کہ وہ قرآن کو اسی معیار پر استعمال کرتے ہین یا اسے ایک مظلوم حقیقت بنائے ہوئے بالکل ہی ترک کر چکے یا پھر اسے استعمال بھی کرتے ہین تو اپنی اپنی جماعتون اور فکری گروہبندیون کے لیئے استعمال کرتے ہین،

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۖ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۔

اور جن لوگون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا وہ اندھیریون مین گونگے بہرے ہین، خدا جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے سیدھے راہ پر کر دے۔ (پ ۷، ع ۱۰)

برسات کی اندھیری رات ہو، آسمان پر ہر طرف کالے کالے ڈراؤنے بادل چھائے ہون، زمین بھیگی ہو، اپنا ہاتھ تک نہ دکھائی دیتا ہو، زمین سیاہ پوش، فضا سیاہی پاش اور آسمان سیاہی بار ہو، غرضکہ زمین سے لیکر آسمان تک ظلمت ہی ظلمت ہو اور ساتھ ہی وہ تمام لوازم ہون جو اندھیری راہون کو اور مہیب بنا رہے ہون، سناٹے کی سر دہو درختون اور جھاڑیون سے خطرناک آوازین آتی ہون، رہ رہ کر خوفناک گرج ہو، بار بجلی کی دہشت انگیز چمک ہو، اور رات کی اس طول طویل اور مہیب سیاہی مین ایک لق و دق جنگل کے اندر ایک آدمی تنِ تنہا ہو، جو آنکھون سے معذور اور کانون سے مجبور ہونے کا مین قوتِ سماعت ہے کہ خوفناک آوازون کو سن سکے، نہ آنکھون مین بینائی ہے کہ حالات کی ہولناکیون کو دیکھ سکے، ایسے عالم مین ہم اسے کیا سمجھین گے؟ اور وہ خود اپنے متعلق کیا خیالات قائم کرے گا؟ ہم اگر ایسے عالم مین کسی معذور و مجبور انسان کو دیکھ لین، تو ہمارا کیا فرض ہو جاتا ہے، اور اس کے لیئے ہمین کیا کرنا چاہیئے؟ ظاہر ہے کہ آنکھ کان والے اپنے شدّتِ احساس کے باعث بے چین ہو کر اس آدمی کے بچانے کی فکر کرین گے، اور کوشش کرین گے کہ ہم اسے ان ہیبت ناک حالات سے باخبر کر کے بچا لین، اور ظلم و ظلمات کی موت نہ مرنے دین، اور وہ شخص چونکہ خود کانون کی نعمت سے محروم اور آنکھون سے معذور ہے، اس لیئے اِن خوفناکیون کو کوئی پریشانی نہین محسوس کرے گا، بلکہ حالات کی نزاکت واہمیت سے وہ بے خبر ہو کر نہایت مطمئن ہوگا،

بیٔنہ یہی شان اس باغی انسان کی ہے جو خدا کی نشانیون اور اس کے احکام و
اوامر کو آنکھون سے دیکھ کر اور کانون سے سن کر اندھا اور بہرا بن گیا ہے. ایسا شخص کفر
و شرک اور لاقانونیت کی تہ بتہ ظلمتون مین گھرا ہوا ہے، اور ہر قسم کی ظلمون کو سہہ رہا ہے
مگر چونکہ وہ احساس و شعور کی طاقتون کو شل کر چکا ہے، اس لیے اسے صورتِ حال کی نزاکت
کا احساس نہین ہے اور وہ ان حالات مین مگن ہے، مگر ارباب دین و دیانت اور انسانیت
و اخلاق کے دلدادہ اس آدمی کی مظلومیت پر حیران و پریشان ہوتے ہین، کفر و شرک کے
مارے ہوئے لوگ اپنی زندگی پر خوش ہین، مسلمان کو ان کی حالت پر بڑی دردمندی کا
اظہار کرنا چاہیے،

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگون کے
سامنے اس چیز کو کھول کر بیان فرمادین، جس مین وہ اختلاف
کرتے ہین، اور یہ کتاب ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان دار
قوم کے لیے۔ (پ ۱۴ - ع ۱۴)

انسانی عقل و فہم مین اختلافات ہوتے ہین، لوگون کی فہم و فراست مختلف ہوتی ہے
اور ہر آدمی کا طریقۂ غور و فکر دوسرے سے جدا ہوتا ہے، لیکن اس اختلاف کا مطلب
یہ نہین ہوتا کہ واقعات و حقائق مین اختلاف پڑ گیا، ان کے وجود مین شبہہ پڑ گیا یا ان
کی موجودگی مشتبہ ہو گئی، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ حق و باطل مین تشابہ ہو جاتا ہے، لوگون کو پتہ

نہین چلتا کہ فلان بات حق ہے یا باطل ہے، اور فلان چیز کے متعلق کیا حکم ہے، اس کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے، اس صورتِ حال کو ختم کر کے اصل حقیقت سامنے لانے والے انبیاء و رسل ہوتے ہین، اور اللہ کی کتابین یہی بات بتاتی ہین، کہ کیا حق ہے، اور کیا باطل ہے، اللہ کے رسولون اور اللہ کی کتابون کا یہ کام نہین ہے کہ لوگون کو وہ بتائیں کہ یہ رات ہے اور یہ دن ہے۔ بلکہ ان کا کام صرف یہ بتانا ہے کہ جس بات مین تم اختلاف کرتے ہو اس مین حقیقتِ حال یہ ہے،

قرآن حکیم انسانی اختلاف کے لئے قولِ فیصل ہے، اس کتاب کا منشا ہی یہ ہے کہ لوگون کے درمیان جو عقائد و خیالات کے اختلافات ہین اُن کا وہ بالکلیۃ فیصلہ کر دے، اور انسانی ذہن کو ہر قسم کی الجھنون سے بچائے، دیکھو قرآن حکیم کے نزول کا منشا کیا تھا؟ اختلافات کا مٹانا، لوگون کے لیے رحمت و ہدایت بننا اور دل و دماغ کو ہر طرح آرام دینا، مگر خود قرآن کے ماننے والے، اس کی تعلیمات پر چلنے کا دعویٰ کرنے والے اور دنیا مین اس کا نام لینے والے، خود اسی قرآن کو اختلاف و انشقاق کا سب سے بڑا آلہ بنائے ہوئے ہین، اور اسی کے بل بوتے پر قوم کو لڑا لڑا کر اپنا اپنا کام چلا رہے ہین منبرون پر بیٹھ کر اس کی آیتین تلاوت کرتے ہین، اور تفریق بین المسلمین کا بیج بوتے ہین کیا یہ بات قرآن کے عین مطابق ہے،؟ اور کیا نزولِ قرآن کا یہی منشا تھا،؟

وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ،

اور جب کتاب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہین کہ

بیشک یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے سچائی ہے،

ہم تو اس کے آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

(پ ۲۰ - ع ۹)

قرآن حکیم کسی فرد یا قوم یا نسل کی اجارہ داری میں نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عام دولت ہے، جس میں دنیا کا ہر خطہ اور اس پر بسنے والی قوم و نسل کے تمام افراد و اشخاص برابر کے شریک ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ کوئی قوم اپنی استعداد و صلاحیت کی وجہ سے اسے فوراً قبول کر لیتی ہے، اور کامرانی و کامیابی کا منہ دیکھتی ہے، اور کوئی قوم اپنی نااہلیت و ناقابلیت کے باعث اس سے محروم رہتی ہے، اور ناکام و بےمرام ہو کر عبرت ناک انجام کے گھاٹ اترتی ہے، سعید و نیک بخت ہیں وہ افراد و اشخاص اور کامیاب و بامراد ہیں وہ قومیں اور بستیاں جنہوں نے قرآن کے حق و حقانیت اور صدق و صداقت کا روزِ اوّل ہی خندہ پیشانی سے استقبال کیا، ان کے مرتبہ کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جنہوں نے ان حقائق کو رد کرنے کے بعد قبول کیا، یا سرے سے قبول کیا ہی نہیں، یہاں ان نفوس قدسیہ کا ذکر ہو رہا ہے، جن کے ضمیر میں استعداد و صلاحیت کا پورا مادہ موجود تھا، اور جو قرآنی سچائی کے انتظار میں اس کی آمد سے پہلے ہی اس پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے

جس دور کے انسانوں میں استعداد و صلاحیت کا یہ مقام موجود ہوگا، وہ دور انسانیت کے لیے امن و امان اور سکون و چین کا گہوارہ ہوگا، اور زمانہ کی کوئی تلخی ان کے لیے ناگواری کا باعث نہیں بنے گی،

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَیْہِ اٰبَاءَنَا اَوَلَوْ کَانَ الشَّیْطَانُ یَدْعُوْھُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا ان کو شیطان جہنم کے عذاب کی دعوت دے رہا تھا، ؟ (پ ۲۱ - ع ۱۲)

انسان کے اندر شخصیت پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اور اس بارے میں سب سے زیادہ پوجا گھرانوں اور خاندانوں کے بڑے لوگوں کی ہوتی ہے، ان کے نظریات و خیالات، ان کے رسوم و رواج اور اُن کے اخلاق و عادات کو انسان خدا کی وحی سے زیادہ قابلِ عمل اور رسولوں کی تصریح سے زیادہ اٹل سمجھتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہر زمانہ اور ہر دور کے مذاق کے مطابق نسل پرستی کا رنگ دوسرا رہا ہے، اور شخصیت کی شراب مختلف جاموں میں استعمال ہوتی رہی ہے،

یہ آج جو دنیا میں وطن و قوم اور ملک و نسل کی پوجا ہو رہی ہے، اسی شخصیت پرستی اور نسل پرستی کی مہذب شکل ہے، اور ہر ملک و قوم اس بات پر نازاں ہے کہ ہم اپنی قدیم تہذیب و تمدن کو زندہ کر رہے ہیں، ہماری تہذیبی قدریں گذشتہ زمانے میں سب سے بلند رہی ہیں، ہمارے یہاں آرٹ، فنون لطیفہ، صنم گری، ناچ، گانا، بڑے اونچے معیار پر تھا اور ہمارے ملک کے قدیم باشندے ان فنون میں مہارت رکھتے تھے، کل اسی قسم کی باتیں انبیاء و رسل کے بارے میں دنیا کہا کرتی تھی، اور آج یہی باتیں ایک ملک دوسرے ملک اور ایک قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں کہہ رہی ہے،

چنانچہ آج آپ کا اور ہمارا ملک سنگ تراشی، بت سازی، ناچ اور گانے پر اس لئے فخر کر رہا ہے اور ان کو زندہ کر رہا ہے کہ یہ چیزیں ہمارے ملک کے پرانے آباء واجداد کرتے تھے، اس بات پر نظر کرنا آج تنگ نظری ہے کہ فی نفسہ یہ چیزیں انسانیت کے عروج کی معیار ہیں یا زوال کی پیداوار ہیں، پس کل دنیا میں جاہل، وحشی، غیر متمدن قوموں نے واقعات وحقائق کے مقابلہ میں جن خرافات کو پیش کیا تھا وہی چیزیں آج پیش کی جا رہی ہیں، اور ان کے اچھے اور خراب ہونے سے نظر بند کر کے ان پر فخر کیا جا رہا ہے، آخر اسلام نے یونہی نہیں شخصیت پرستی اور نسل پرستی کی جڑ کاٹی ہے اسے خوب معلوم تھا کہ انسان اس لعنت سے ہمیشہ دلچسپی لیتا رہے گا، بلکہ اس کی نجی دلچسپی اجتماعی دلچسپی بن جائے گی،

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔

اور اس آدمی سے بڑھ کر ظالم اور کون شخص ہو سکتا ہے، جس کو سمجھایا گیا اس کی رب کی آیتوں سے پھر وہ ان سے دور بھاگا، ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں، (پ ۲۱۔ ع ۱۵)

جب کسی قوم پر زوال وادبار کی مار پڑتی ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہن ودماغ میں خلل پیدا ہوتا ہے، اور اس کی عقل وخرد میں ہر چیز الٹی آتی ہے، ہر اچھائی برائی معلوم ہوتی ہے، اور ہر بدی نیکی کا قالب بدل لیتی ہے، جب کسی قوم کے ذہن وخرد کا آئینہ ہی زنگ آلود ہو کر خراب ہو جاتا ہے تو پھر اس پر صیقل گروں کا عمل کام نہیں کرتا، اور غلط بینی

کے بجائے صحت بنی کی جلا نہین آتی، اس وقت ایسی قوم کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اس مین سچائیون سے نفرت اور برائیون سے محبت کی وبا پھیل جاتی ہے، اور ہر صحیح روشنی ان کے لئے ظلمت اور ہر غلط ظلمت ان کے لئے روشنی کا مینار ہو جاتی ہے،

اللہ کے ہادی و داعی جسقدر ہدایت و دعوت کی کوشش کرتے ہین، یہ مفلس قوم اسی قدر گمراہ و غلط رو بنتی جاتی ہے، اور نوبت یہان تک پہنچتی ہے کہ پروردگار کے انذار و تبشیر کی ایک ایک نشانی ظاہر ہوتی رہتی ہے، اور قوم کا پارہ اونچا ہوتا رہتا ہے، جتنا ہی اس کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے، اتنی ہی وہ شریر ہوتی جاتی ہے، اور جس قدر ترغیب و تبشیر کی جاتی ہے، کفر و نفاق کی مایوسی اور قنوطیت اس کے دامن کو پکڑتی رہتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قدرت کی حجت تمام ہو جاتی ہے، اور ظالمون کے لئے جو کلمہ حق ہے وہ پورا ہو جاتا ہے، اور ظلم و عدوان کی پوری سزا مل کر رہتی ہے،

پس دنیا مین سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی پر ظلم کرے اور عدل و انصاف کی جو راہین قدرت نے اس کے لئے کھول دی ہین، ان پر نہ چل کر اپنے کو دونون جہان مین ناکام کر دے،

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔

جن لوگون نے کفر کیا ذکر یعنی قرآن کے ساتھ جب کہ وہ ان کے پاس آگیا اور وہ کتاب عزیز ہے، اس کے پاس باطل نہ سامنے

نے آسکتا ہے، نہ پیچھے سے آسکتا ہے، وہ خدائے حکیم وحمید کی طرف
سے نازل ہوا ہے۔ (پ ۲۴۔ ع ۱۹)

دنیا مین، انسان کی ہدایت کے لیئے بہت سے قوانین و اصول بنائے گئے۔ ہر دور کے انسانون نے اپنے آپ کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیئے اصول مرتب کئے، اسی سلسلہ مین انبیاء ورسل رہنما بن کر تشریف لائے اور جو اصول انھون نے پیش کیئے، وہ انسانی زندگی کے لیئے بنیاد بنے، جن کے اصول مادیت اور روحانیت کے امتزاج سے بنے، اور من جانب اللہ انسانون کو دیئے گئے، جہان تک، انسانی دل و دماغ کے قوانین کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ وہ ظروف و احوال کی بندشون مین جکڑے ہوتے ہین، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک خطۂ ارضی یا ایک نسلِ انسانی کے لیئے بھی ناکام ثابت ہوتے ہین کیونکہ ان کے اندر عالمگیر اصول نہین ہوتے، بلکہ خاص خاص ماحول اور خاص خاص ذہنون کی پیداوار ہوتے ہین، برخلاف اس کے خدائی اصول و قوانین مین آفاقیت ہوتی ہے، ان کی روحانی اور مادی قدرین بہت بلند ہوتی ہین، قرآن حکیم خدائی قوانین کی سب سے آخری اور سب سے مکمل کتاب ہے، اس لیئے اس مین کسی طرف سے کسی قسم کی خرابی نہین ہوسکتی ہے اور اس کا ہر پہلو انسانی زندگی کے لیئے ٹھوس نظام رکھتا ہے، دنیا ایسے کامل و مکمل نظام کی محتاج تھی، اور اپنی زندگی کو کامیاب سے کامیاب تر بنانے کے لیئے کسی اٹل نظام کی طالب تھی، اور جب یہ نظام اس کے پاس آگیا تو اس نے سرتابی اور کفر کا رویہ اختیار کیا، مگر اس کی اس روش سے نظامِ الٰہی کے قانون مین کوئی خرابی پیدا نہین ہوسکتی، اور اس کی افادیت عمل کرنے والون کے لیئے عام ہی رہے گی،

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى، اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ،

آپ فرما دیجئے کہ یہ قرآن ان لوگون کے لئے ہدایت اور شفا ہے،
جو ایمان لائے ہین، اور جو لوگ ایمان نہین لائے ہین، اُن کے کانون
مین بوجھ ہے، اور ان پر اندھاپن بن رہا ہے، یہ لوگ بہت دور سے
پکارے جاتے ہین، (پ ۲۴ ۔ ع ۱۹)

اگر اندھے آفتاب کی روشنی نہ دیکھ سکین تو آفتاب کی روشنی نیست و نابود نہین
اگر گونگے بہرے ہماری تمہاری آواز کو نہ سن سکین، نہ جواب دے سکین تو اس کا یہ م
ہرگز نہین، کہ انسانون سے قوتِ گویائی اور طاقت سماع سلب ہو چکی، اگر کسی سے قو
شامہ چھین لی جائے، تو اس سے بدبو اور خوشبو کا امتیاز مٹ نہین جائے گا، اسی ط
قرآن کی ہدایت ہے اور اقوام عالم کے لئے اس کا رحمت و شفا ہونا ہے، جو لوگ ہو
و حواس کے مالک ہین، جن کے دلون کی دنیا تباہ و برباد نہین ہو چکی ہے، جو عقل سلیم
قلب مستقیم کے مالک ہین، اور ایمان کے جوہر سے جن کی انسانیت بے بہرہ نہین ہے
کے لئے قرآن سراسر رحمت و شفا ہے، رشد و ہدایت ہے اور نجات و فلاح کا ق
ہے، اور جو لوگ اہلیت و صلاحیت مفقود کر چکے ہین، ان کے لئے قرآن نہ رحمت ہ
شفا ہے، اور نہ ہی رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے، کیونکہ ایسے لوگون کے کان بہا
ہین، وہ قرآن کی آیتون کو نہین سن سکتے، ان کے دل بیمار ہین، وہ اسے نہین سمجھ
اُن کی عقل شل ہے، وہ کام نہین کر سکتی،

ایسے نااہلوں کے لئے قرآن رحمت و شفا نہیں، بلکہ ان پر اتمام حجت ہے، اور ان کی گمراہی کی آخری مہر ہے، لیکن اس کے شفا، و رحمت اور رشد و ہدایت ہونے میں انسانیت کے لئے اس صورتِ حال کی وجہ سے کوئی روک نہیں ہے،

یاد رکھنا چاہیئے قرآن حکیم انسانیت کی جملہ بیماریوں کے لئے اپنے اندر شفا رکھتا ہے، وہ بیماری مادّی ہو یا روحانی، اخلاقی ہو یا معاشرتی، معاشی ہو یا معیشتی، قلبی ہو یا جسمانی، غرض کہ یہ نسخۂ شفا، انسان کی جملہ بیماریوں کے لئے صحت بخش و شفا بخش ہے، اس کے اوراد و وظائف سے قلب و روح کی جلا ہوتی ہے، اور دین و ایمان میں ترقی بھی ہوتی ہے، اس کی تلاوت سے روحانی سکون بھی ہوتا ہے اور مادّی صحت بھی ہوتی ہے، اور اس پر عمل کرنے سے انسانیت دونوں جہان میں کامیاب ہوتی ہے، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ آج قرآن حکیم کے بارے میں ہم عام مسلمانوں کا جو رویہ ہے کہ اسے صرف دعا تعویذ اور برکت کی ایک کتاب سمجھتے ہیں یہ اس کے اصل منشاء کے مطابق نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد زندگی کے ہر گوشے میں دین و ایمان کی روشنی پھیلانا ہے۔

دینی زندگی

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○

بے وقوف لوگ کہین گے کہ مسلمانون کو کس چیز نے اُن کے اس قبلہ سے پھیر دیا، جس پر وہ تھے' آپ کہدیجئے کہ خدا ہی کے لیے مشرق ومغرب ہین، اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے،

(پ ۲ - ع ۱)

ظاہر بین آنکھین ہمیشہ حقیقت بینی سے دور ہوتی ہین، جن نگاہون پر طرح طر رنگینیون اور قسم قسم کی دلفریبیون کے پردے پڑے رہتے ہین، وہ ان ہی پردون الجھ کر رہ جاتی ہین، اور انھین واقعات وحقائق کے صاف ستھرے مناظر نظر نہ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ یہی سطحی نگاہین اپنے آپ کو حکم اور فیصل محسوس کر کے، اپ اور دوسرون کو کور چشم ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہین، اور اپنے اندھے پن پر کبھی نہین کرتی ہین، اسی قسم کا ایک واقعہ قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے، جب کہ ہجر سترہ ماہ بعد مسلمانون کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ قرار پایا، تو کفا نے کہنا شروع کیا کہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی لائی ہوئی شر

مکمل کرنے آیا ہے، اور اس کا مشن بھی وہی ہے، جو دوسرے انبیاء ورسلؑ کا تھا، مگر اسلام نے
اپنے نبوں کی سراسر مخالفت کی ہے، اور اس طرح وہ اپنا الگ نظام بنا رہا ہے، جب اس کا
یہ دعویٰ ہے تو پھر قبلہ بدلنے کا کیا مطلب ہے؟ تبدیل قبلہ کی وجہ سے گویا ظاہر بینون کو
اسلام کے خلاف ایک اور پروپیگنڈا ہاتھ آگیا، اور انھون نے اسے خوب خوب اچھالا، حالانکہ
اگر ان مین عقل وشعور کا کچھ بھی مادہ ہوتا تو وہ سمجھتے کہ اسلام جب تمام گذشتہ شرائع کی تکمیل
کرنے والا ہے، اور اس کا پروگرام سب سے الگ ہے تو اس کا مرکزی مقام بھی کوئی دوسرا
ہی بنے گا، جس سے تمام روحانی (اور دینی) وسائل مل جائین گے، اور سب اسی مرکز سے
اپنا تعلق قائم کرین گے، اسلام نے یقیناً پہلی شریعتون کی تکمیل کی ہے، وہ ان مین ضم نہین ہوا
ہے، کہ ان کے جزوی، علاقائی اور ہنگامی مرکزون کو اپنا دائمی اور ابدی مرکز تسلیم کر لے،
اسلام سے پہلے جتنے مرکز تھے، سب وقتی اور مقامی تھے اب اسلام آنے کے بعد ایک بین الاقوامی
مرکز کی ضرورت تھی، اور اس ضرورت کے پیش نظر کعبہ کو اسلامی تحریک کا بین الاقوامی
مرکز قرار دیا گیا، مشرق ومغرب کا نقطۂ اتصال یہی مقام ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ

اے لوگو! زمین کی پیداوار سے حلال طیب کو کھاؤ اور شیطان -
کے نشانات قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمھارا صریح دشمن ہے،

(پ ۲ - ع ۵)

قرآن انسانیت کو امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے، اس کا منشا انسانی بستی کو امن و

سکون سے آباد کرتا ہے، اور بدامنی وفساد کی جڑ بنیاد کھود کر پھینک دیتا ہے، اسلام اور قرآن
کا نقطۂ نظر صرف یہ ہے کہ زمین خدا کی ملک ہے، اس کی تمام پیداوار اور تمام احوال و کی
صرف خدا کے قبضہ میں ہیں، اور اس کے انتظام و اہتمام اور استعمال کا پورا حق خدا کے
ان بندوں کو حاصل ہے، جو اس کے فطری اصولوں اور الٰہی قوانین پر عمل کر کے اپنے اس
و استخلاف کو ثابت کریں، انسان عمومی حیثیت سے زمین پر خدا کا نائب ہے، یعنی یہاں
مادی نظام و اہتمام اور یہاں کی اشیاء کے استعمال کے بارے میں انسان اپنی بصیرت
سے کام لے اور اس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی گذارے کہ زمین کا چپہ چپہ امن
امان، سکون و راحت اور عیش و مسرت سے معمور رہے، اور کہیں بھی فساد و بے چینی اور بد
و بدامنی کی وبا پھوٹنے نہ پائے،

بلکہ پوری انسانیت زمین کی پیداوار سے پاکیزہ غذا کھائے، تاکہ پاکیزہ خون پیدا
ہو، پاکیزہ گوشت پیدا ہو، پاکیزہ دل و دماغ پیدا ہوں، پاکیزہ افکار و خیالات پیدا ہوں
تمدن و معاشرت برپا ہو، اور کہیں بھی شیطنت و شرارت کی آفت نہ پیدا ہو، شیطانی اثر ا
نہ ابھر سکیں، اور آدم کی بستی میں عدوان و طغیان اور تصادم و خونریزی کی باری
آئے، انسانیت سراسر امن و امان کا نام ہے، شیطنت سراسر شرارت و عدوان کا
ہے، شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے، کہ کب موقع ملے کہ اسے تباہ و بر
کر دے، چنانچہ جس زمانہ میں شیطنت کا زور انسانیت پر غالب آجاتا ہے، اس زمانہ میں
شر و فساد کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہے، اور جب شیطنت
اور بدی کی طاقتوں پر انسانیت اور روحانیت غالب آجاتی ہے، تو امن و امان کی بنس
بجتی ہے اور دنیا سکھ کی نیند سوتی ہے، جیسا کہ کل کے زمانہ میں تھا،

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ
لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو، جو تم لوگوں سے قتال
کرتے ہیں۔ اور تم لوگ حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے
والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۲ ۔ ع ۸)

اسلام انسانی زندگی کو امن و راحت کا پیغام دیتا ہے، اور اس کے لیے ایسا قانون
پیش کرتا ہے، جس پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کے دنیاوی اور اخروی دونوں رخ
نہایت پر امن، پرسکون اور پروقار ہو جاتے ہیں، اسلامی نظام حیات میں ایک انسان کا
قتل کر دینا پوری انسانیت کی گردن مار دینے کے برابر ہے، اور ایک انسان کی جان بچا
لینا پوری انسانیت کو موت کے پنجے سے چھڑا لینے کے مرادف ہے، اسلام کے نزدیک
خدا کی پاک زمین پر کسی بے گناہ آدمی کا خون گر جانا زمین اور اہل زمین کی ناپاکی کا باعث
ہے، اور اس میں ساری آدمیت کا خون خراب ہے، دنیا کے تمام انسانوں کو اسلام امن و
صلح کا پیغام پہنچاتا ہے، پرسکون اور زندگی کی دعوت دیتا ہے، اور امن و سلامتی کا نغمہ
سناتا ہے، یہی اس کا نصب العین ہے، یہی اس کا مقصد ہے، اور یہی اس کی
تحریک کے لیے روح ہے، اب اگر اسی مقصد کے خلاف کوئی طاقت مقابلہ میں آجائے
اور شرارت و بدامنی برپا کر بیٹھے تو اس کے شر و فساد کے دبانے کے لیے اور صرف
اس لئے کہ یہ اسلام کی سلم و سلامتی بحال رہے، اور دنیا میں بدامنی و فساد کی فضا نہ
پیدا ہو، اس طاقت کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا، اور اس کی غلط رفتار کو صحیح کر دیا جائے گا
اس مقابلہ میں صرف حق و باطل کا جذبہ کام کرے گا، اور صحت کے مقابلہ میں غلطی کی سرکوبی

منظورِ نظر ہوگی، اور بس، اس سے نہ اپنا یا اپنی جماعت کا غلبہ مقصود ہوگا، نہ دوسرے کو پورے طور سے ختم کر دینے کا پروگرام ہوگا، بلکہ سزا بقدرِ جرم ہوگی، اور وہیں تک قتال و زم کی ہنگامہ آرائی ہوگی، جہاں تک قرآن حکیم کی اجازت ہے، اور ان ہی سے یہ نبرد آزمائی ہوگی، جن کی قرآن حکیم نے نشاندھی کی ہے، یعنی ان لوگوں سے جنگ کرنی ہوگی جو ہم سے جنگ کرتے ہیں، اور وہیں تک ہمیں ان سے جنگ کرنی ہوگی جہاں تک ان کی شرارت ہے، اس سے ایک انچ ہمیں آگے بڑھنے کا اختیار نہیں ہے، ورنہ ہم ظالم ٹھہریں گے، اور اسلام کا نام لیکر خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے باوجود خدا کے نزدیک حد سے بڑھنے والے ہوں گے اور ہمیں خدا ناپسند فرمائے گا، آج بھی جو لوگ فتنہ و فساد کی آگ جلاتے ہیں اور خوب خوب اودھم مچاتے ہیں، وہ ظالم ہیں، حد سے گذرنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں، کیونکہ بدامنی و شرارت خدا کو کبھی گوارہ نہیں ہو سکتی، اور اس کے کرنے والے کبھی قابلِ عفو و درگذر نہیں ہو سکتے،

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى. وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ،

اچھی بات اور درگذر ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ درد ہو اور اللہ غنی اور حلیم ہے، (پ ۳ ۔ ع ۴)

قولِ معروف" وہ بات ہے جس کی خوبی عقل اور شریعت کی رو سے ثابت ہو، اور اس کی معقولیت پر اربابِ عقل و شعور اور اہلِ دین و شرع متفق ہوں، "مغفرت" وہ کردار عظیم ہے جو کسی سے غلطی سرزد ہو جانے پر انتقام و مواخذہ کا ہاتھ روک دیتا ہے، اور عفو و درگذر

کی فضا پیدا کر کے غصہ، انتقام، بدلہ، مواخذہ، لڑائی، تو تو مین مین، اور انفرادی اور جماعتی افراط و تفریط کی ناگوار صورتِ حال کو رونما نہین ہوتے دیتا،

صدقات و خیرات کرنے مین نیکی اور ثواب اسی لیئے ہے کہ اس کارِ خیر سے اسلامی معاشرہ مین احسان و اصلاح کی فضا پیدا ہوتی ہے، امارت و غربت کی خلیج پٹتی ہے، جماعتی اور انفرادی احساس و شعور کی بجالی مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ بستی کی بستی اطمینان و سکون سے سوتی اور جاگتی ہے، اور نیکی کی زندگی بسر کرتی ہے، لیکن اگر صدقات و خیرات کرنے کے نتیجہ مین اربابِ مال و زر عوام پر اپنا رعب جمائین، اپنی احسان مندی کا احساس دلائین، اللہ فی اللہ نیکی کر کے لوگون کو غلام کہین، اور اپنے قول و عمل سے بستی کے غریبون محتاجون اور بے کسون کو اذیت پہنچائین، تو پھر صدقات و خیرات کا منشا فوت ہو جائے گا، اور احساس و شعور مین نیچ اونچ باقی رہے گی، امیری اور غریبی کا اختلاف، طبقاتی بیماری کا باعث بنے گا، اور باہمی محبت و شرافت کی زندگی پیدا نہ ہو سکے گی،

اس لئے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ اربابِ ثروت اپنے مال اپنی تجوریون مین بند رکھین اور اسے باہر نکال کر جماعتی روگ کا باعث نہ بنین، ایسے صدقات و خیرات سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ لوگون کے ساتھ میٹھے بول کا معاملہ کیا جائے، خوشدلی و کشادہ قلبی سے ہنس کھ زندگی گذاری جائے، جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کر کے اور مواخذہ و بدلہ کی ناگواری ختم کر کے اپنی بستی مین رحم و کرم اور لطف و احسان کو برپا کیا جائے، تا کہ گفتگو اور بات چیت سے کسی قسم کی ناگواری نہ پیدا ہو، اور طبقہ کا ہر چھوٹا بڑا ہنسی خوشی کی آزاد و مطمئن زندگی بسر کرے،

اے مسلمانو! اپنے اور غیرون کے ساتھ میٹھی بولی بولو، اور بخشدو گر خطا کرے کوئی

یہ دو باتیں نتیجہ کے اعتبار سے بہت اہم ہیں،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ

مِنَ الْأَرْضِ،

اے ایمان والو خرچ کرو اللہ کی راہ میں ان پاکیزہ چیزوں سے

جسے تم نے کمایا ہے، اور اس چیز سے جسے ہم نے تمہارے لئے

زمین سے نکالا ہے، (پ ۳ - ع ۵)

اسلام نقدی مال اور زمینی پیداوار کو انسان کا جائز حق تسلیم کرتا ہے، یعنی جس آدمی نے اپنے کسب و حرث سے نقد مال جمع کیا، یا زمینی پیداوار حاصل کی وہ اس کا مالک ہے، اور کسی دوسرے کو اس میں دست درازی کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ جو اس قسم کا ارادہ رکھتا ہے اس سے اسلام نہایت صفائی سے نہایت نرمی سے کہتا ہے کہ تم بھی اپنے زور بازو اور صنعت و حرفت سے یہ حق اپنے لئے حاصل کرو اور بلا شرکت غیر تنہا مالک بن جاؤ، اسلام ذاتی ملکیت اور انفرادی دولت و پیداوار کے خلاف نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے حق میں ہے، اور اپنے ماننے والوں سے اپیل کرتا ہے تم فضل خداوندی سے اپنا حصہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرو، اور کھاؤ پیو، اور فضول خرچی نہ کرو، لیکن چونکہ اسلام جانتا ہے کہ انسانی معاشرہ کا ہر ہر فرد اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے کسب و معیشت میں اس بات پر عمل نہیں کر سکتا بلکہ ہر بستی میں کچھ بیکس و مجبور اور مسکین و غریب لوگ ہوں گے، جو قدرتی یا سماجی مجبوری کی وجہ سے اپنے لئے کوئی ذاتی ملکیت نہیں پیدا کر سکتے، اور وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے تک

کا انتظام نہین کر سکتے، اس لیۓ اسلام نے نقدی اور زمینی پیداوار کے مالکون کو حکم دیا کہ تم لوگ اپنے مسکینون اور غریبون پر خرچ کرو، اور ان کی ہر طرح کی پرورش اور تربیت کے لیۓ اپنی دونون قسم کی پونجی صرف کرو،

یعنی (۱) کسب و معیشت کے نقدی مال و زر سے اور (۲) حرث و زرع کے ذریعہ حاصل شدہ پیداوار اور غلہ سے خرچ کرو، مسلمان خوب سمجھ لین کہ ان کی ہر قسم کی آمدنی مین خدا کا حق ہے، یعنی اس کے حکم سے ہر قسم کی آمدنی سے معتدبہ حصہ خرچ کرنا پڑے گا۔ اور یہ نہین ہے کہ رمضان مین چند پیسے نکال کر کسی کو دیدیۓ اور ذمہ داری ختم ہوگئی، بلکہ ہر قسم کی آمدنی کا تزکیہ کرنا ہوگا، اور سب سے معاشرہ کے مسکینون کی خدمت کرنی ہوگی،

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ،

جن سے لوگون نے کہا کہ مخالفون نے تمہارے لیۓ تیاری کر رکھی ہے (لہذا تم ان سے ڈرو) تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور انھون نے کہدیا کہ اللہ ہمارے لیۓ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے،

(پ ۴ - ع ۹)

مسلمان کی زندگی توحید پرستی کی زندگی ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسلمان موحد بنکر اس عقیدہ و یقین سے بھرجاتا ہے، کہ نفع و نقصان کی ساری طاقت صرف خدائے واحد و قہار کے دست قدرت مین ہے، اگر وہ چاہے تو نفع و نقصان کا معاملہ ہوسکتا ہے، اور اگر وہ نہ چاہے تو پھر نہین ہوسکتا، کافر و مومن مین یہی بنیادی

، جائز ہے کہ ایک مومن واحد خدا پر ایمان لاکر اور تمام دوسری طاقتوں کے ساتھ کفر کر
صرف ایک خدا سے ڈرتا ہے، اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا، اور ایک مشرک و کافر خدا کے
ساتھ کفر کرکے اور دوسری غلط طاقتوں پر ایمان لاکر صرف ایک خدا سے نہیں ڈرتا
اور دنیا کی ہر طاقت سے ڈرتا ہے، پس کافر بزدل ہے اور مومن نڈر ہے، مومن ہر موقع
اور ہر وقت پر اسی عقیدہ سے معمور رہتا ہے کہ اگر خدا چاہے گا تو یہ بات ہوگی ورنہ
نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ایمان و خوف ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، توحید پرستی اور
بزدلی میں میل نہیں ہے،

اوپر کی آیتوں میں اسی بات کو ایک واضح مثال کے ذریعہ واضح فرمایا جارہا
ہے، صورت یہ ہے کہ جس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اور کفار و مشرکین ہر
طرف سے مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہتے تھے، منافقین مسلمانوں اور کافروں کے درمیان
منافقانہ چال چلا کرتے تھے، خصوصیت سے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی غیر شعوری
ترکیب نکالتے تھے، مسلمانوں سے آکر کان میں کہتے کہ ہماری بات مانو، ہم تمہاری
بھلائی کے لئے بتا رہے ہیں، کہ کفار و مشرکین نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی بھاری
فوج جمع کر رکھی ہے، اور نہایت ہی عظیم الشان تیاری کی ہے، لہذا تم لوگ اپنی بے کسی
و بے بسی پر نظر ڈالتے ہوئے ان کافروں سے ڈرو اور ان باتوں کو ترک کردو، جن
وہ بھڑکتے ہیں، اور تمہیں کچا چبا جانا چاہتے ہیں، منافقین کی اس قسم کی بزدلانہ باتوں
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈرنہیں جاتے تھے، بلکہ نہایت بہادری اور ثابت قدمی
سے ہنسکر جواب دیا کرتے تھے، کہ ہمیں کفار و مشرکین کی گیدڑ بھبکیوں کی پرواہ نہیں
ہے، یہ کفار جس قدر ہمیں ستاتے ہیں ہمارا ایمان اور بڑھتا ہے، اور ہماری ایمان

زور میں مضبوط ہو تی جاتی ہیں اور بجائے اس کے کہ ایمان میں تزلزل واقع ہو اور زیادہ مضبوطی آجاتی ہے، کیونکہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہے کہ ایک خدا ہمارے لیے بس ہے، اور وہی ہمارے لیے بہترین کارساز ہے، اس کی ذات پر ایمان لانے کے نتیجہ میں ہمیں کسی قسم کی پرواہ نہیں ہے۔ آج بھی حق پرستوں اور مصلحوں کے خلاف جگہ جگہ شورش برپا کی جاتی ہے، ہنگامہ برپا ہوتا ہے، لوگ تہدیدوں اور دھمکیوں سے ڈراتے ہیں، اور آج بھی ایمان و توحید والے اپنے کام میں مزید انہماک پاتے ہیں، اور ذرہ برابر ہراساں نہیں ہوتے۔ اگر اللہ تعالیٰ حق پرستوں کے دل میں بزدلی بھر دیتا تو پھر دنیا میں کبھی حق کا سر اونچا نہ ہوتا۔ اور باطل کی شورش ہمیشہ حق کی آواز کو دبائے رکھتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کا مقام عزیمت پر ثابت قدم رکھے، آمین۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ

اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا ہے، کہ تم لوگ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ پس ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار! اس لیے ہماری گناہوں کو بخشدے اور ہماری لغزشوں کو چھپا دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے۔ (پ ۴ - ع ۱۱)

یہ ان لوگوں کے تاثرات ہیں جو خلاصہ انسانیت ہیں، اور جن کی وجہ سے انسانوں کا

سراونچا ہے، قرآن حکیم کی اصطلاح مین یہ حضرات "اولوالالباب" یعنی ارباب عقل کے لقب
یاد کیئے جاتے ہین، سچائی کے طلب گارون کے لیئے اتنا ہی کافی ہے کہ کہین کوئی چشمہ صدق
وصفا نظر پڑ جائے پھر کیا ہے اُن کی تشنہ کامی اوچھلنے کو دنے لگتی ہے، اور وہ سیرا
سے ہمکنار ہو جاتے ہین، تشنگانِ حق وصداقت دلیل وحجت کے پیچھے نہین پڑتے اور ابا،
انکار کا رویہ نہین اختیار کرتے، بلکہ جہان کہین حق وصداقت کا نشان ملا کہ جھک گیئے، ا
اپنے مقصد مین کامیاب ہو گیئے، پھر یہ نہین کہ وہ حق کو قبول کر کے اس پر فخر کرنے لگین کہ
ہم تو صحیح راہ کو پا گیئے، اور اپنے مقصد مین کامیاب ہو گیئے، نہین بلکہ ان کی نظر بہت د
رس ہوتی ہے، وہ دنیا مین حقانیت کے پاجانے کو آخرت مین حق پانے کا ذریعہ سمجھتے ہین، ا
لیئے اللہ کے داعی کی دعوت پر اپنے قول وعمل سے لبیک کہنے کے باوجود اپنی آخرت ک
بھلائی کی دُعا کرتے رہتے ہین، نیک زندگی کی دعا کرتے ہین، نیک موت کی آرزو کر
ہین اور نیکون کے زمرے مین دوبارہ اٹھنے کی تمنا کرتے ہین، اے مسلمانو! یہ ان حقیقی
مسلمانون کی آواز ہے، جن کے لئے اسلام ہے، اور جو اسلام کے ہین، تم بھی یہی زندگی ا
یہی نظریۂ حیات حاصل کرو، اور دنیا وآخرت مین کامیاب وبامراد ہو،

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ،

اے ہمارے پروردگار! اور تو ہمین وہ چیز دے جس کا تو نے ہم سے
اپنے رسولون کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اور تو نہ رسوا کر ہمین
قیامت کے دن، بیشک تو وعدہ خلافی نہین فرماتا، (پ ۴ ع ۱۱)

خدا کے برگزیدہ بندے دین و ایمان کی دولت سے مالامال ہو جانے پر اپنے یقین وعمل کی سفارشون کے ذریعہ ربُّ السّمٰوٰت والارض کے دربار مین معروضات پیش کرتے ہین، وہ اپنی زندگی کے لیے عزت و فتح مندی اور بشاشت و تازگی طلب کرتے ہین، اور انجام کار کی حرمان نصیبی، اور فضیحتی سے پناہ مانگتے ہین، وہ اپنے پروردگار سے یقین وعمل کے زور پر دعا کرتے ہین، کہ اے اللہ! تونے اپنے رسولون اور نبیون کی زبانی اپنے خاص بندون کے لیے جن باتون کا وعدہ فرمایا ہے، ان کو پورا فرما، اور ہمین اس کا مستحق ٹھہرا، اگر ہمارے استحقاق مین کوئی کمی ہے تو اپنے فضل وکرم سے ہمارے اعمال ایسے کر دے جو ہمین تیری نعمتون کا سزاوار بنا سکین، خداوندا! تونے ایمان و اسلام کی زندگی گذارنے پر جو وعدہ فرمایا ہے وہ برحق ہے، تو برحق، تیرا وعدہ برحق اور اس کا وفا ہونا برحق، تو وعدہ خلافی نہین فرماتا، اس لیے ہمین بھی اپنے تمام وعدون سے نواز، اور اگر ہمارے اندر اس کے استحقاق کی کمی ہے تو اپنے فضل سے اسے پورا فرما،

اگر آج کے مسلمان بھی خدا کے دین کے بخشے ہوئے، یقین و اعتقاد اور عمل و کردار کا وزن سمجھتے ہین، اور ان مین ہونے والے نقصان کی تلافی کی کوشش کرتے ہین، تو انھین اللہ کے سامنے منہ کھولنے اور اس کی نعمتون کے سوال کرنے کا حق حاصل ہے، اوپر کی آیتون مین کسی خاص گروہ کا ذکر نہین ہے، بلکہ یہ انہی لوگون کی باتین ہین، جو دین و دیانت کے مقام سے واقف ہین، اور ان مین انسانیت کی روح بیدار ہے،

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ،

پھر ان کے رب نے ان کی دعائیں قبول کیں کہ میں تم میں سے کسی عمل
کرنے والے مرد یا عورت کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں
ایک ہو، (پ ۴ - ع ۱۱)

جو لوگ پاک نفس ہیں اور ساتھ ہی عمل و کردار کی پاکیزگی سے بھی بہرہ مند ہیں اور پھر اپنے پروردگار سے پوری عزیمت و استقامت کے ساتھ اپنے دل کی مرادیں مانگتے ہیں اور اس کے کئے ہوئے وعدوں کی وفا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرما لیتا ہے، اور ان کی نیازمندانہ التجاؤں اور آرزوؤں کو نوازتا ہے، خدا کی اس نوازش و رحمت میں صرف "انسانیت" کا اعتبار ہے، جس میں بھی انسانیت کی قدریں بدرجہ اتم موجود ہیں ہیں وہ خدائی انعام و اکرام کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اس لئے استحقاق و سزاواری میں مرد یا عورت کے امتیاز کا کوئی سوال نہیں ہے، آدم کی بیٹی دین و دیانت کے معاملہ میں آدم کے بیٹے سے کسی طرح کم نہیں ہے اس میں استعداد و استحقاق کی وہی قدریں موجود ہیں، جو مرد میں ہیں، اس لئے خدا کے فضل و احسان کی نظر میں مرد عورت کا فرق کوئی حقیقت نہیں رکھتا، کیونکہ یہاں انسانیت کبریٰ کی برتری کا سوال ہے، جو انسانوں میں نمودار ہوتی ہے وہ انسان مرد کی صورت میں ہو یا عورت کی صورت میں،

مرد عورت کی تفریق کوئی حقیقی تفریق نہیں ہے، بلکہ ایک صنفی امتیاز ہے، پس اس فرق کا اثر خدا کے فضل و کرم پر نہیں پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ چلتی رہتی ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا، وَاِذَا حَكَمْتُمْ

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

اللہ حکم دیتا ہے تم لوگون کو کہ امانتون کو ان کے حقدارون تک

پہنچاؤ، اور جب تم لوگون کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ

فیصلہ کرو، (پ ۵ - ع ۵)

دنیا مین مسلمان امن وامان کا ضامن ہے، اور اس کے اوپر فرض ہے کہ انسانی زندگی کو ہر خطرہ کے وقت امن وامان کی پناہ مین لے لے، اور اپنے وجود سے امانت و دیانت، انصاف وعدالت، سکون وطمانیت اور بشریت وانسانیت کو تروتازہ رکھے اور نہ صرف یہ کہ ہر طرف امن وراحت کو عام کرنے کی کوشش کرے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ خوف وہراس، وساوس وخطرات اور بے اطمینانی وپریشانی کو بھی ختم کرے،

اس سلسلہ مین قرآن حکیم دو بنیادی باتون کی طرف رہنمائی کر رہا ہے اور حکم دیتا ہے کہ کھلی عدالت ہو یا خفیہ امانت ہو دونون مین تم ایک رنگ اختیار کرو، اور تمھارے ظاہر اور باطن مین دورنگی نہ ہو، جہان تک امانت کا تعلق ہے، وہ ایک خفیہ معاملہ ہے، جو صرف دینداری وایمان داری کے بل بوتے پر کیا جاتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا تقاضا صرف ایمانی قوت اور دیانت کی عظمت پر موقوف ہے، اور جہان تک فیصلہ ومحاکمہ کا تعلق ہے وہ کھلی عدالت اور پنچایت کا معاملہ ہے اور اس بارے مین بہت سے ایسے مقامات آجاتے ہین جہان انسان باوجود تمام باتون کے کھلی ہونے کے بددیانتی پر اتر آتا ہے اور حق کے فیصلہ کو باطل کی نذر کر دیتا ہے،

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ یہ دونون معاملے انسانی زندگی کے اہم مسئلے ہین، ان مین اگر تم نے ذرا بھی ناانصافی اور حق تلفی کی تو انسانیت مین ایسی دراڑین پیدا ہو جائین گی

جن کا بند کر دینا تمھارے بس سے باہر ہوگا، لہذا ان مین خصوصیت سے عدل و انصاف سے کام لو، اور اپنی ذمہ داریون کا پورا پورا احساس کرو۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور جو شخص برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ کو غفور و رحیم پائے گا (پ ۵۔ ع ۱۳)

انسان اللہ کی بہت ہی پیاری مخلوق ہے، خدا نے اس کے فائدے کے لئے یہ دنیا اور اس کی ساری رنگینیان پیدا فرمائین، چاند، سورج اور ستارے بنائے، سرد و گرم موسمون کو بنایا، سالون، مہینون اور دنون کو پیدا فرمایا، پھر سب کچھ کرنے کے بعد انسان کو اس زمین پر اپنی نیابت دی اور ساتھ ہی اس کی ہدایت کے لیے اصول و قواعد مقرر کر دیئے، آسمانی احکام کا انتظام کیا، ان ہی انسانون مین سے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل مبعوث کیے، اور ان کے لیے نیک راہون کو اجاگر کیا، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اگر انسان بے راہ روی اختیار کرتا ہے اور راہ بے راہ ہو جاتا ہے تو اس سے درگذر کر دینے کی سنت جاری فرمادی،

سوچ سکتے ہو کہ کیا اس سے بڑھ کر شفقت و محبت کا کوئی درجہ ہو سکتا ہے، اب یہ انسان کی استعداد و صلاحیت ہے کہ وہ قدرت کی ان بخششون سے فائدہ حاصل کرے اور صحیح راستہ پر چلے، یا اس کی ناکامی و حرمان نصیبی ہے کہ ان باتون کے باوجود اس دنیا سے ناکام و نامراد جائے،

قدرت کو خوب معلوم ہے کہ انسان اپنی جبلّت کے اعتبار سے بہت ہی رنگین واقع ہوا ہے اور اس مین بے راہ رو ہو جانے کا مادہ موجود ہے، اس لیے اس نے یہ تمام انتظامات کرنے کے باوجود مزید فضل فرمایا کہ اس کی لغزشون اور گناہون سے درگذر کرنے کا اعلان فرما دیا، اب یہ انسان کا کام ہے کہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھائے خدا نیند سے اٹھا کر اس کی گناہون کو بخشنے کے لیے نہین آئے گا، اور اس کی گردن دبا کر توبہ واستغفار نہین منگلوائے گا،

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ،

پس جن لوگون نے ہجرت کی اور جو اپنے گھرون سے نکالے گئے اور میری راہ مین ستائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، مین ان کی لغزشون سے ضرور بالضرور درگذر کر کے ان کو ایسی جنتون مین داخل کرون گا، جن کے نیچے نہرین جاری ہین، یہ معاملہ خدا کی بارگاہ سے اجر و ثواب کے طور پر ہو گا اور خدا کے یہان تو حسن ثواب ہے،

(پ ۴ ۔ ع ۱۱)

اس دنیا کی سب سے بہترین زندگی وہی زندگی ہے جو یہان بھی عزت وآبرو سے گذرے اور وہان بھی کامیاب ہو، اور اس کے لیے سب سے کامیاب وہ زندگی ہے جو خدا کی راہ مین

گذرے اور سچائی اور نیکی کے لیے وقف ہو، اور حالات و واقعات کی ہزاروں ناگواریوں کے باوجود ہنستی کھیلتی رہے، ارباب صدق و صفا اور اہلِ حق و صداقت دنیا میں اسی زندگی کو کامیاب زندگی سمجھتے ہیں جس میں خدا کی راہ کی تمام دشواریاں موجود ہوں اور ان دشواریوں سے گذرنے میں لذت ملتی ہو، اپنوں کی مار کھانا، غیروں سے دردمند ہونا، سماج کی نگاہ میں برا ہونا، گھر سے بے گھر ہونا، مال و متاع سے محروم ہونا، آل اولاد تک کو خیرباد کہنا اور پھر ان تمام باتوں کے باوجود خدا کی راہ مستقیم پر ڈٹے رہنا صبر و رضا کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہے،

یہاں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے، جو اسلام و ایمان کی راہ میں کام آئے، گھر سے بے گھر ہوئے، بستی سے نکالے گئے، تکلیف دیئے گئے، مگر جس قدر ان کو ان حالات سے دوچار کیا گیا ان کی ہمت بڑھتی گئی، اور سچائی کا پارا اونچا ہوتا گیا چنانچہ ان ہی بے سہاروں نے خدا کی ذات کے سہارے مخالف گروہوں اور ناگوار حالات کا جان توڑ کر مقابلہ کیا، اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہوئے، اور جہاد کے لئے آگے بڑھے پھر کتنے تھے جو غازی و مجاہد بن کر کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے، اور کتنے تھے جو شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام ہوئے، ان قدسیوں کے لیے انجام کی تمام بھلائیاں مہیا ہیں! اور ان کو نہ دنیا میں کوئی فکر ہے اور نہ آخرت میں کوئی کھٹکا،

مسلمانو! اگر تم بھی دنیا و آخرت میں بے غبار زندگی کے خواہاں ہو تو تمہیں بھی وقت آنے پر یہ کرنا ہوگا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ

أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۔

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کہ ایک
قوم نے ارادہ کیا کہ وہ لوگ اپنے ہاتھون کو تمہاری طرف پھیلائیں
پس خدا نے ان کے ہاتھون کو تم سے روک دیا، اور تم خدا کا تقویٰ
اختیار کرو، اور مومن تو خدا ہی پر توکل کرتے ہیں ۔

(پ ۲ ۔ ع ۶)

ارباب دین و دیانت پر غیرون کے ہاتھون مصیبتین آتی ہین اور انھیں اس دنیا
مین برے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کی وجہ کبھی تو غیرون کے مقابلہ مین ان کی
ظاہری کمی ہوتی ہے اور عددی اقلیت کی وجہ سے کفار و مشرکین کے حوصلے بڑھ جاتے ہین،
جس کی وجہ سے وہ ارباب دین و دیانت دست درازی کرتے ہین، اور ان کی ایذا رسانی
کے پیچھے پڑتے ہین، اور کبھی مسلمانون کی عددی اکثریت کے باوجود اور ظاہری ٹھاٹھ کے
علی الرغم ان کی اندرونی کمزوریون کی وجہ سے اغیار کے حوصلے بلند ہو جاتے ہین اور
وہ ان کے لئے سرا بنکر نمودار ہوتے ہین، اور تکلیفین پہنچاتے ہین، ان دونون حالات مین
اللہ تعالیٰ پکے مسلمانون اور سچے پرستاران حق و صداقت کو خطاب کرکے فرماتا
ہے کہ کفر و اسلام کی آویزش کی تاریخ مین ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے کہ جب کبھی دشمنانِ
حق و صداقت نے یہ سمجھکر تم پر دست درازی کی ہے کہ چونکہ تم مسلمان ہو اس لئے
تم کو مٹانا چاہئیے، تو ہم نے اُن کی کلائیون کو موڑ دیا ہے، ان کے حوصلے پست کردیے
ہین، اور ان کی جمعیت تہس نہس کردی ہے، اور مسلمانون کو بچایا ہے،

تاریخ انسانی کے ہر دور مین یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے، تم جس انسانی دور کو چاہو اس مین اس حقیقت کا مشاہدہ کر لو اور پھر تم خدا پر توکل کی روح سے معمور ہو جاؤ، کیونکہ سچے مومنون کا توکل ہمیشہ خدا کی ذات پر ہوا کرتا ہے، اور ان کے اس توکل کی برکت سے خدا ان کے مخالفون کو تاراج کر دیتا ہے، پس آج کے مسلمان اگر یہ دیکھتے ہین کہ غیر طاقتین ان کی طرف دست درازی کر رہی ہین، اور ان کو اچک لینے کی ترکیبین کر رہی ہین تو ان کو چاہئیے کہ توکل علی اللہ کی فضا پیدا کرین اور اپنے اندر وہ زندگی پیدا کرین جو یقین و اعتقاد کی چٹانون سے وابستہ ہو جب تک اعتقاد و عمل کے میل سے یہ زندگی اسلامی معاشرہ مین پیدا نہ ہو گی اس وقت تک اغیار کی دست درازی سے بچنا مشکل ہے، اسلام دنیا کے لیے ابدی اصول فلاح و نجاح ہے' اسے لیکر چلنے والے کسی طاقت کے مٹائے سے مٹ نہین سکتے' البتہ اس کی طرف نسبت کر کے دین و ایمان کی اعتقادی اور عملی زندگی سے غافل رہنے والون کی کوئی ذمہ داری نہین ہے،

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ مین تمھارے ساتھ ہون اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولون پر ایمان لاؤ، اور

ان کی تعظیم و تکریم کرو، اور اللہ کو قرضۂ حسنہ دو، ایسی حالت مین مین
تمہاری لغزشون سے ضرور بالضرور درگذر کرون گا، اور تمھین ایسی
جنتون مین داخل کرون گا جن کے نیچے نہرین جاری ہون گی، پس تم
مین سے جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہ سیدھی راہ سے ہٹ جائے گا‘

(پ ۶ - ع ۷)

نصرتِ خداوندی اور امداد الہٰی کے کچھ اسباب و وجوہ بھی ہوتے ہین، یا بالفاظ دیگر ان کے لئے ایسی استعداد و صلاحیت اور قابلیت درکار ہے، جو فیضانِ خداوندی سے بہرہ یاب ہونے کی اہل ہو، قانونِ قدرت ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جو لوگ اس دنیا مین حق و صداقت اور دین و دیانت کا ساتھ دیتے ہین، نصرتِ خداوندی ان کا ساتھ دیتی ہے، کیونکہ نظام قدرت کی ساری ہنگامہ آرائی اسی منشار کے لئے ہے، کہ یہ کائنات امن و سکون اور اصول و ضابطہ کی بحالی سے کامیاب و کامران رہے، پس اس معاملہ مین جو قوم یا فرد مفید ثابت ہوگا، نظام قدرت کو اس مین دلچسپی ہوگی، اور وہ زیادہ سے زیادہ تندرمندی اور توانائی دینے کے حق مین ہوگا، اور قدرت کی طرف سے اپنے مصلحین کی امداد ہوگی، جو نیک اعتقاد و عمل سے دنیا مین سچائی پھیلانے اور برائی مٹانے کی کوشش کرتے ہین، اور اس کے برعکس بدباطنون فاسقون، فاجرون، بدکارون اور بدعقیدہ لوگون کو نہ صرف محرومی ہوگی، بلکہ ان کو تباہی وبربادی سے دوچار ہونا پڑے گا، قرآن حکیم قوم یہود کی مثال پیش فرمارہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ساتھ دینے کا پورا وعدہ فرمایا۔ اور دنیا مین ان کو ہر طرح کامران وغالب کرکے آخرت مین جنات و انہار کی وراثت دینے کی ذمہ داری لی تھی، مگر یونہی نہین بلکہ اس کے لئے استعداد و قابلیت کا معیار ان باتون کو بنایا، جن کے کرنے سے انسان

کی روحانی، مادی، انفرادی، اجتماعی، ملکی، قومی اور ہر طرح کی زندگی فیضان خداوند
کی سزاوار ٹھہر جاتی ہے، اگر نماز سے روح و اخلاق مین قابلیت پیدا ہوتی ہے تو زکواۃ
کے نظام کی وابستگی سے سوسائیٹی کے عمل و یقین مین اطمینان و سکون کی قدرین ابھرتی ہ
پھر اللہ کے رسولون اور اس کی کتابون پر ایمان لانے سے فیضان خداوندی کے لیۓ نسبت
پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر خدا کی راہ مین خرچ کرنے سے اس فیضان کی طلب اور خواہش ا
ہے، جب انسانی زندگی مین نیکی کی قوتین اس طرح بیدار ہو جاتی ہین، تو نصرتِ الٰہی آ
ہے، اور دونون جہان مین دست گیری کرتی ہے،

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ
جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ
أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ،

اور جب موسیٰ نے کہا کہ اے قوم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو،
کیونکہ اس نے تمھارے اندر انبیاء بنلۓ، اور تم کو بادشاہ بنایا
اور تمہین وہ چیز دی، جسے دنیا مین کسی کو نہین دی۔

(پ ۶ ۔ ع ۸)

کسی قوم یا خاندان مین اہلِ ارباب علم وفضل کا پیدا ہونا، عزت و شرافت کی
قدرون کا بلند ہونا اور رشد و اقتدار کی دولت سے بہرہ ور ہونا، فضل خداوندی اور
اس کی توفیق سے ہے، جن گھرانون یا جن بستیون مین ارباب علم وفضل ہون، ارباب
ثروت و اقتدار ہون، ارباب فہم و دانش ہون، وہ گھرانے اور بستیان اللہ کے خاص ان

سے بہرہ مند ہیں، تاریخ عالم میں بہت سی ایسی قومیں اور ایسے ممالک گذرے ہیں اور آج بھی ہیں جن کے مزاجوں میں شرارت و عدوان کے بجائے شرافت و انسانیت ہوتی ہے، جہل و تعصب کے بجائے علم و کشادگی ہوتی ہے، مرعوبیت کے بجائے اقدامی طاقت ہوتی ہے، افسردگی کم ہمتی، کوتاہ بینی اور بے بسی کے بجائے انبساط، تازگی، شگفتگی، وسعت نظری، اور سرور و مسرت ہوتی ہے، پس جو لوگ اس دنیا میں امتیاز و فرقان کے مالک ہیں اپنے علم و فن اور ریاست و امارت کی وجہ سے تاباں و درخشاں ہیں، ان پر اور ان کی زندگی پر فضلِ خداوندی کی بہت بڑی نوازش ہے، ایسی نوازش جسے اہم مواقع پر یاد کر کے اپنی زندگی سنواری جاسکتی ہے۔ وہ لوگ خدا کی نعمت سے بہرہ یاب ہیں،

تاریخ عالم کے گذشتہ دور میں بنی اسرائیل قوم اپنے ثروت و اقتدار، علم و فضل، ریاست و حکومت اور ذہن و مزاج کے اعتبار سے بہت ہی سربلند قوم تھی، جسمانی صحت و تندرستی کے ساتھ علمی تن دمندی اور ذہنی بحالی بھی انہیں پورے طور سے مہیّا تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ناخلف لوگوں کو خطاب کر کے اُن کی قومی پوزیشن یاد دلاتے ہیں کہ، اگر خدا نے تمہارے اوپر یہ احسانات کیے ہیں، تو تم اس کی جناب میں آؤ، اور گمراہ ہو کر ان تمام خاندانی اور قومی سربلندیوں سے نہ گرو،

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ کی زندگی گذارتے تو ہم ان سے ان کی لغزشوں کو ضرور نظر انداز کر دیتے اور ہم ان کو ضرور

جنات نعیم میں داخل کرتے، (پ ۶ ۔ ع ۱۴)

خدا کا قانونِ حیات ہر ملک و قوم اور ہر نسل و قبیلہ کے لیئے ہے، اس کی وسعت میں کاروانِ انسانی کی تمام اگلی پچھلی قدریں سما سکتی ہیں، اس میں جغرافیائی حد بندی نہیں ہے، نسلوں اور قوموں کی تنگی نہیں ہے، اس کے اندر یہود و نصاریٰ ہوں کہ کفار و مشرکین، زردشتی و مجوسی ہوں کہ صابی و ناصبی سب ہی پناہ پا سکتے ہیں، اور خدا کی ان نعمتوں سے برابر کا حصہ لے سکتے ہیں جو اس میں پناہ لینے والوں کے لئے مقدر ہیں،

خدا کی رحمت میں تنگی نہیں ہے، اسلام کسی دائرہ کا نام نہیں ہے، اس کے ابدی و ازلی قانونِ حیات میں دورنگی اور اختلاف نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور ان کے خاندان کے لوگ ہی اسلام کی دولت سے حصہ لے سکتے ہیں، اور ان ہی کے خاندان و نسل میں یہ میراث منتقل ہوتی رہے گی، بلکہ جو نسل و قوم اسے اپنا بنا لے، یہ اصولِ حیات اس کے لیئے ہیں، ان کے نتائج کی خوشگواری میں بخل و کنجوسی نہیں ہے، اگر یہ اسلام پر عمل کریں تو انھیں دنیا و آخرت کی بھلائی ملے، اور اگر وہ عمل نہ کریں تو ان کے لیئے کچھ بھی نہ ہو، اسی طرح اگر یہود و نصاریٰ اسلام کی حقیقتوں کو تسلیم کر لیں اور ان کے عقیدہ و عمل سے اس کا اظہار ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ان تمام نعمتوں سے نوازے گا، جو اسلام لانے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیئے ثابت ہیں،

ان کی بے راہ روی پر رحمت خداوندی پردہ ڈال دے گی، انتقام و عذاب کی گرفتیں ختم ہو جائیں گی، اور خدا کے قانونِ مجازات میں نرمی کر دی جائے گی، پھر یہ بھی ہو گا کہ دنیا میں عزت و سکون کی زندگی کے ساتھ آخرت میں ابدی نعمتوں اور دائمی خوشگواریوں سے ان کو ملے گا، اور وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوں گے، جب غیروں کے مسلمان

بشارت ہے تو خود مسلمان اگر حقیقی مسلمان بن جائین تو ان کے لیے کیا کچھ نہ ہوگا،

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔

پس جب تم لوگ نماز پوری کر لو تو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنے

پہلوؤن پر یاد کیا کرو، اور جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو۔

بیشک نماز مومنون کے اوپر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی

ہے، (پ ۵ ۔ ع ۱۲)

یہان یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب تم لوگ میدانِ جہاد کی جانبازی کی حالت مین اس طرح نماز باجماعت پڑھ لو تو پھر اپنے کام مین لگ جاؤ یعنی خدا کے نام پر اپنی جانون کو ابتلاء و آزمائش مین جھونک دو۔ مگر اس حالت مین بھی تم خدا کو نہ بھولو۔ ذرا بھی غافل نہ رہو، بلکہ لڑتے ہوئے بھی جیسے تمہارے لیے ممکن ہو اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہو، کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے لیٹ کر سواری پر، پیدل، اعضاء و جوارح سے دل اور اشارے سے غرض کہ کسی حالت مین خدا کی یاد سے غافل نہ رہو، پھر جب دم لینا نصیب ہو، تو باقاعدہ جماعت کے ساتھ وقت کی پابندی کرتے ہوئے سب مل کر نماز پڑھو،

مسلمان غور فرمائین کہ جنگ و جہاد کی ہولناکیون مین بھی نماز سے فرصت نہین ہے بلکہ جیسے بھی ممکن ہو اسے ادا کرنا ہی پڑیگا، بھلا اس نازک وقت سے زیادہ نازک اور مصروف وقت انسانی زندگی مین آسکتا ہے؟ اور آدمی معذرت کر سکتا ہے کہ موقع اور فرصت نہین

مل سکی کہ نماز ادا کر سکین، تو پھر کون سا وقت ہو سکتا ہے جس مین نماز کا حکم اٹھ سکتا ہے؟
خوب غور سے سن لو کہ کسی وقت اور کسی حال مین بھی نماز معاف نہین ہے، مسلمان کو تو یہ وظیفہ حیات زندگی کے ہر مرحلہ پر ادا کرنا ہی پڑے گا، آجکل کے روشن خیال لوگون کو زندگی کی گوناگون مصروفیتون سے اتنی فرصت نہین ملتی کہ وہ بقول خود پانچ وقت کی نماز ادا کر سکین یہ روشن خیالی نہین بلکہ اپنی ذمہ داری سے غفلت ہے، اور بالادست قوت سے بغاوت ہے، کیرکٹر تو یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنی ذمہ داری کو نباہتا رہے،

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ، وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ،

وہ کہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، اس لیے ہمین شاہدین اور ماننے والون کی ساتھ لکھدے، اور ہمین کیا حق ہو کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائین اور پھر امید کرین کہ ہمارا رب ہمین صالح قوم مین داخل کر دے، بس ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے ان کو ایسی جنتین دین جن مین نہرین جاری ہین، اور نیکون کارون کی یہی جزا ہے،

(پ ۷ ۔ ع ۱)

ظالمون اور سرکشون کی روش ہمیشہ الٹی رہتی ہے، وہ ہر نیک کام سے جی چراتے ہین اور اپنی عیاشی کی وجہ سے ابا، و انکار کا مظاہرہ کرتے ہین، مگر ڈینگ مارنے مین، بہت آگے آگے ہوتے ہین، کام کچھ نہین کرتے، مگر دعوی بہت کچھ کرتے ہین، بخلاف اس کے جو لوگ نیک اور شریف ہین جن کی فطرت سلیمہ ماحول کی گندگیون سے ملوث نہین ہوتی ہے اور جو اپنی زندگی کو کسی روحانی نظام اور سچے اصول سے وابستہ کر لیتے ہین، وہ کبھی ایسا نہین کرتے کہ ظالمون کی راہ پر چلین اور بے عملی و بدعقیدگی کے برتنے کے بعد اچھی خواہش رکھین، وہ خود سوچتے ہین کہ جب تک ہم اپنی زندگی کو سچے اصولون کا پابند نہ کرین ہمین کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اچھے نتائج کے امیدوار بنین اور ان لوگون کے طبقہ مین اپنا شمار کرین جو صلحا و صالحین کا ہے، جن کی زندگی اوامر و نواہی کو دیکھ دیکھ کر قدم آگے بڑھاتی ہے، اور خوش بختی و خوش نصیبی کی وارث ٹھہرتی ہے، بلکہ وہ پہلے ایمان و عمل صالح کی بنیاد مضبوط کرتے ہین اور عمل و حرکت سے ظاہر کرتے ہین کہ وہ انعام خداوندی کے مستحق ہین، پھر دعا کرتے رہتے ہین کہ اے اللہ ہمین بھی اپنے نیک بندون کی زندگی سے سرفراز کر دے، جن پر تو نے انعام کیا ہے، اور جن کی زندگیون کو تو نے دنیا اور آخرت مین اپنے فضل و کرم کا خزانہ بنایا ہے، ایسے برگزیدہ انسان عواقب و نتائج کی خوشگواری کے اصلی مستحق ٹھہرتے ہین، اور ان ہی لوگون کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہوتی ہے، جس طرح ان کے پیش رو نیک کار ہوتے ہین، اور انعامات و برکاتِ خداوندی کے سزاوار ہوتے ہین، اسی طرح یہ لوگ بھی صالح و نیک ہو جاتے ہین، اور ان کے لیے فیضان خداوندی کا ظہور ہونے لگتا ہے،

بس اے مسلمانو! تم غور کرو کہ ایمان و عمل صالح کی پونجی کسقدر تمھارے پاس موجود ہے اور تم اپنی زندگی کو انعامات و برکات کے لیے کس درجہ مین مستحق تصور کرتے

ہو، خواب و خیال کی دنیا سے نکل کر واقعات و حقائق کی روشنی میں آؤ،

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

جن لوگون نے ایمان لاکر اپنے ایمان مین ظلم اور نقصان نہین ملایا، ان ہی لوگون کے لیے امن ہے اور وہی لوگ ہدایت یاب ہین،

(پ ۷ - ع ۱۵)

جس طرح آگ اور پانی کا ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہے، سردی اور گرمی کا اتحاد ممتنع ہے اور سیاہی وسفیدی مین باہمی میل محال ہے، اسی طرح ایمان و کفر مین بُعد اور دوری ہے اور یہ نہین ہو سکتا ہے کہ ایمان کا زبانی اقرار اور بے ایمانی کے افعال و کردار ایک جگہ جمع ہو کر کوئی نیک نتیجہ بر آمد کر سکین، قرآن حکیم نے ایمان کے مقابلہ مین ظلم کا لفظ استعمال کر کے ان اعمال، حرکات اور عقائد و تصورات کو بیان کر دیا، جو ایمانی عقیدہ و عمل کے بالکل خلاف اور عین ضد مین اور بتا دیا کہ دنیا مین امن و امان اور سکون و اطمینان اور ساتھ ہی نیک روی، راہ یابی اور سلیقہ مند زندگی کی طرف رہنمائی اُن ہی قومون، ملتون اور امتون کا حق ہے، جن کے اندر ایمان و کردار کی روشنی ہے، جن کے دماغون مین خدا پرست عزیمت کام کر رہی ہے، جن کے دلون مین خدا افروز بصیرت کے دریا موجزن ہین، جن کی نگاہون مین کفر و شرک کی تصویرین نہین جچتی ہین، جن کے منہ مین ایسی زبان ہے جس سے کبھی کلمۂ خیر کے سوا کلمۂ شر نہین نکلتا، اور جن کے خیال و تصور مین نیکی ہی نیکی ہے، وہ نہ اپنون کی کبھی برائی کرتے ہین، نہ غیرون کا برا چاہتے ہین، بلکہ سب کا بھلا چاہتے ہین، سب کی خیر مناتے ہین، اور سب کے لیے

نیک ارادے رکھتے ہیں اور دین کی حقیقتوں پر عمل کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ دنیا میں امن کی زندگی
بین گے اور ہر طرح بے فکر رہیں گے،
یہ آج جو ہر طرف بد امنی و جنگ کی ہنگامہ آرائی برپا ہے اور کسی ملک سے لیکر کوئی بستی
مطمئن نہیں ہے، اسی ظلم کا نتیجہ ہے جو انسان اپنے ضمیر اپنے ماحول، اپنی فطرت، اپنی زندگی اور
اپنی حیات مستعار پر رات دن کر رہا ہے، اور ایمان و اسلام بالفاظ دیگر امن و امان اور سکون
وسلام سے منہ پھیر رہا ہے،

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَنَزَعْنَا مَا فِي
صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ،

یہ لوگ جنتی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور نکال دیا ہم نے ان کے
سینوں سے حسد و کینہ اور دشمنی کی کھوٹ سے جو کچھ تھا، ان کے محلات
کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (پ ۸ - ع ۱۲)

جنتی حضرات کے اوصاف و حالات بیان کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ ایک خاص بات
کو بیان فرمارہا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کی کھوٹ، بغض و حسد اور کینہ و دشمنی
نکال دیں گے، اور ان کے دل ایک دوسرے کی طرف سے بالکل بے غبار اور صاف ستھرے
ہوں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی زندگی کا حقیقی لطف جب ہی ہے کہ جب کہ اس کے
رہنے والے میل و محبت کی خوشگوار فضا میں پھولتے پھلتے رہیں اور کسی کو کسی کے بارے میں کسی
قسم کا کوئی شکوہ نہ ہو، یوں بھی جنت میں بغض و دشمنی اور کینہ و حسد کا نام و نشان نہ ہوگا اور کوئی
جنتی ایسا کام نہیں کرے گا، جو کسی قسم کی ناگواری کا باعث ہو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر

زندگی کو جنت بنانا ہو تو آپس میں میل و محبت کی فضا پیدا کرو، اور اس دنیا میں جنتی کی بنیادوں پر اپنی اسلامی زندگی گزارو، اگر باہمی محبت کی زندگی گزارو گے تو دنیا میں خوشگوار زندگی پاؤ گے، اور جیتے جی جنت کا مزا چکھو گے اور مرنے کے بعد تو جنت کے وار تو تم ہو ہی،

پس اے مسلمانو! اپنی زندگی کو باہمی بغض و دشمنی کی وجہ سے جہنم نہ بناؤ، اور اللہ نے میل و محبت اور مودت و اخوت کی بنیادوں پر اس دنیا کو تمہارے لئے جنت بنایا ہے تم اپنی ناکردنیوں سے جہنم نہ بناؤ، اگر ایسا کرو گے تو نعمتِ خداوندی کی بڑی ناشکری ہوگی اس ناشکری کی سزا میں گرفتار کئے جاؤ گے، تم ہر قسم کی باہمی عداوت کو ختم کر ڈالو اور اس بار میں کسی کی بات نہ مانو، ورنہ خدا اور رسول کی نافرمانی ہوگی، وہ لڑانے والے ملاّ ہوں، یا کافر مولوی ہوں، اور یا پیری مریدی کے نام پر ملت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی میں اختلاف زہر گھولنے والے لوگ ہوں، جو بھی تم کو باہمی اختلاف اور ملی شگاف کی تعلیم دے اس سے بھاگو، ورنہ یہ لوگ خود تباہ و برباد ہو کر تمہیں بھی تباہ و برباد کر ڈالیں گے،

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ؁

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے، ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں، تو اس حال میں خدا نے تمہیں پناہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہیں نوازا اور تمہیں

طیبات سے روزی دی تاکہ تم شکر کرو ، (پ ۹ ۔ ع ۱۱)

جب کسی قوم مین یقین وعزیمت کے فقدان سے کھوکھلا پن پیدا ہو جاتا ہے، تو اس مین ہر قسم کے خطرات گھستے رہتے ہین، اور معمولی معمولی باتون کی وجہ سے اس قوم کی جان نکلنے لگتی ہے، دیکھ لو آج ہندوستان کے مسلمانون کا کیا حال ہے!؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم تکوینیات کا ہر تغیر وانقلاب ان کے لیئے موت کا پیغام ثابت ہو رہا ہے، جہان کوئی ہوا اٹھی کہ مسلمان سہمے، جہان کوئی بات ہوئی کہ مسلمان ڈرے، اور جہان کوئی پتہ کھڑکا کہ مسلمان ہندو سہر کا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس قوم کے اندر سے اسلامی اعتقاد ویقین کی تمام عزیمتین ختم ہو چکی ہین، توحید و توکل علی اللہ کی ساری قدرین مٹ چکی ہین، اور کائنات عالم کے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ساری راہین وہ چھوڑ چکے ہین،

ورنہ وہ آج کے حالات وانقلابات کا بڑھ کر استقبال کرتے اور اپنے معبود کے پیدا کیئے ہوئے حالات مین اپنے مقام سے دور نہ بھاگتے،

قرآن حکیم گویا آج ہی کے مسلمانون کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم آج کے حالات مین اپنی کل کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالو اور ہو سکے تو اپنے قدم کو روک لو، اور اسے وقت کے سینے مین گاڑ کر ہر ہوا کا مردانہ وار مقابلہ کرو،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ،

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف گروہ سے ملاقات کرو تو

ثابت قدم ہوکر جم جاؤ، اور ایسے وقت مین اللہ کو بہت زیادہ یاد

کرو تاکہ تم کامیاب ہو (پ ۱۰ - ع ۲)

ایمان و اسلام امن و صلح کی تحریک کا دوسرا نام ہے' ایک مومن دنیا مین امن و سلامتی

کا نقیب و داعی ہوتا ہے' وہ اپنی ذات، اپنے خیالات' اعمال و کردار اور اپنے احساسات

و رجحانات سے امن کے نوک پلک سنوارتا ہے، پھر اسی پر بس نہین کرتا، بلکہ دنیا مین

امن و امان کی فضا پیدا کرنے کے لیۓ خدائی اصول و قوانین کو پیش کرتا ہے' انسانون سے

کہتا ہے کہ انسانیت کی بحالی اور حفاظت کے لیۓ ان راہون پر چلو' اور امن و امان کے

ساتھ زندہ رہ کر امن و امان کی موت مرو، تاکہ جب دوسری زندگی کی دائمی مسرتون کا دن

آۓ، تو ابدی بے چینی اور لا متناہی درد و کرب سے تم دوچار نہ ہو،

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ محلہ اور بستی مین بے خوفی، اطمینان، سکون، امن، عافیت

پھیلاۓ، اور اس کے خلاف حالات کو ختم کرے، اگر وہ ایسا نہین کرتا ہے تو اس کے سچے

مسلمان ہونے مین شک ہے' دنیا مین خدا کے قانون کو نافذ ہونے مین کوتاہی کرتا ہے' اس

لیۓ وہ اسلامی زندگی کی صحیح قدرون سے محروم ہے، اور اس کی یہ محرومی بین الاقوامی

ہے، اس کا نتیجہ صرف اس کی ذات تک محدود نہین رہے گا، بلکہ دنیا کے حالات و واقعات

پر اس کا اثر پڑے گا،

اسی لیۓ قیام امن اور اقامتِ دین کے سلسلے مین اگر کوئی طاقت فتنہ و فساد کرنے پر

اتر آۓ' اور وہ سمجھانے بجھانے سے باز نہ رہے، بلکہ الٹے سینہ زوری کرنے پر آمادہ ہو

اور امن پسند مصلحین کے خلاف محاذ جنگ قائم کردے تو پھر مسلمانون کا فرض ہے کہ دو

بِھڑ جانے کے بعد پوری طاقت سے اس باغی جماعت کا مقابلہ کرین اور اس کے دم

کہتیا ہاس کر ڈالتیں، اس ثابت قدمی کے لیے خدا کی یاد اور اس کے اصول و قوانین کی حفاظت بنیادی روح کی ہے، کیونکہ یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے، امن و فساد کی جنگ ہے، اور صلح و فتنہ کی جنگ ہے، کسی خاص قوم یا نسل کی جنگ نہیں ہے، اور نہ ہی کسی دوسرے نظریہ ضابطہ کی جنگ ہے، بلکہ کفر و اسلام کی جنگ ہے، یا بالفاظ دیگر امن و فساد کی جنگ ہے، اس لیے اس جنگ میں قوم و وطن کی یاد، ملکی روایات کی حفاظت، نسلی غرور کا تحفظ اور اپنے نظریات و خیالات کا بچاؤ، مدِ نظر نہیں رکھا جائیگا بلکہ خدائی اصول اور خدائی ذکر و تذکیر کی روح اس میں کام کرے گی، اس نازک مرحلہ پر اسلام کے نظریۂ توحید میں دوسرے خیالات کی آمیزش اور شرکت نہیں ہوگی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اے نبی! اللہ تیرے لیے کافی ہے، اور وہ مومن جنہوں نے تیری اطاعت کی (پ ۱۰ ۔ ع ۴)

یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، یہاں ظاہری حالات کے لیے ظاہری اسباب وجود در کار ہیں، تکوینی معاملات کا سلسلہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، اور جب تک سبب کی فراہمی نہیں ہوتی، کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہوتا، جہاں تک باطنی سبب کا تعلق ہے خدائے واحدہ لاشریک کی ذات مسبب الاسباب ہے، دنیائے ظاہر میں جو کچھ نمودار ہوتا ہے اسی کی طرف سے ہوتا ہے، ایک پتہ بھی اس کی مرضی اور علم کے بغیر نہیں ہل سکتا، دنیا میں سبب و مسبب کی تمام ہنگامہ آرائی اسی ذاتِ باری تعالیٰ کا کرشمہ ہے، توانائی و قوت اور

اور ضعف وکمزوری کے مظاہر اسی کی قدرت کے چشم و ابرو کے کرشمے ہین، اگر غور کرو تو معلوم ہو کہ اس دنیا مین کامیاب و کامران زندہ رہنے کے لیئے ظاہری اسباب اور باطنی قوت دونون سے تعلق ضروری ہے یعنی اس خدا کی قدرت وطاقت پر ایمان واعتماد رکھنا جس نے ظاہری اسباب وعلل پیدا کیئے اور پھر اس کے بعد ان اسباب وعلل سے تعلق رکھنا جو دنیا مین نمودار ہوتے رہتے ہین، ان دونون مین اصل خدا کی ذات ہے، یہان نبی کی ذات کو خطاب کر کے مسلمانون کو بتایا جا رہا ہے کہ ان دونون اسباب سے لگے رہو، جہان تک عقیدہ وعزیمت کا تعلق ہے، صرف ایک خدا پر نظر رکھو، اس کی فعالیت کا اقرار کرو، اور مؤثر حقیقی اسی کو سمجھو، پھر اس کے بعد ان اسباب پر بھروسہ کرو، جو تمھارے ارد گرد ہین، ان لوگون پر اعتماد کرو، جو تمہاری راہ پر چلتے ہین، اور تمھاری دعوت پر لبیک کہہ کر تمہارے نظام زندگی کے ماتحت زندگی گذارتے ہین، انہون پر اعتماد کرنا، انہون کی تنظیم کرنا، اور انہون کو اپنی کامیابی کا سبب گردا ننا عالم اسباب مین اہم ترین چیز ہے، جس طرح باطنی اسباب مین خدا پر اعتماد اصل الاصول ہے، اسی طرح ظاہری اسباب مین اپنی جماعت کے مخلصین پر اعتماد کرنا اصل الاصول ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ

اللہ نے بیشک خرید لیا ہے مومنون سے ان کے جانون اور ان کے مالون کو جنت کے بدلے مین وہ قتال کرتے ہین، اللہ کی راہ مین، پس مارتے ہین اور مارے جاتے ہین، (پ ۱۱ - ع ۳)

مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنی زندگی اور اس کے ایجابی و سلبی تقاضون کو اللہ و رسول کی مرضی پر وقف کر دیتا ہے، اور اس کی زندگی کی کوئی حرکت اسلامی قانون کے باہر نہین ہو سکتی، پیدائش کی صبح سے لیکر موت کی شام تک کا لمحہ لمحہ احکام و اوامر اور اصول و قوانین کے ماتحت گذرتا ہے، اور عمر انسانی کی اس مدت مین کوئی وقت ایسا نہین گذرتا جس مین اسلام کا عقیدہ و تصور کام نہ کرتا ہو، اس کا مطلب یہ ہرگز نہین ہے کہ اسلام زندگی کو طرح طرح کی پابندیون مین جکڑ دیتا ہے، انسان اپنی زندگی کو شکنجون مین کس کر گذارتا ہے، اور قدم قدم پر اس کا دم گھٹتا رہتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسے سہل و آسان اور سچے تلے عقائد و تصورات ہین، جو ذہن انسانی مین رچ جانے کے بعد اس کی زندگی کے ہر شعبہ مین بلا کسی تکلف کے خود بخود نمایان ہوتے ہین، اور انسان کا لاشعور ملکہ کی ایسی شاہراہ پر لگ جاتا ہے جو اسلامی افکار و خیالات اور وظائف و اعمال کو بلا کسی تصور و تردد کے لے چلتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ اسلام سب سے پہلے ذہنون اور دماغون کو خطاب کرتا ہے، اور ان کو خیال و عقیدہ کی ایسی سطح پر لاتا ہے، جہان کسی تصور و عمل مین کسی قسم کا کوئی خدشہ نہین ہوتا، بلکہ زندگی اس تصور و عمل کے ظہور مین سکون محسوس کرتی ہے، اور اسے اس کے برتنے مین نشاط کا احساس ہوتا ہے، قرآن اسی زندگی کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ اے مومنو! تمہاری زندگی اور اس کے سارے رجحانات و عواطف اور اعمال و وظائف کو اللہ نے خرید لیا ہے، اور تم مین ایسا ملکۂ خیر پیدا کر دیا ہے، جس کے نتائج کا ظہور فیضان و انعام خداوندی کی شکل مین ہوتا ہے، جنات و انہار کی خوش نصیبی و سعادت مندی ملتی ہے، امن و سکون کی دائمی متاع گران ملتی ہے، اور خوف و خطرات کے تمام امکانات کافور ہو جاتے ہین، کیونکہ تم نے اپنی زندگی

تصور و یقین کی ایسی شاہراہ پر لگا دی ہے، جہاں مرنے جینے کا فرق نہیں اور موت و حیات کا سوال پیدا نہیں ہوتا، تم اپنی حیات کو بھی خدائی اصول کے حوالے کر چکے ہو، اور اپنی موت کو بھی تسلیم و رضا کے سانچے میں ڈھال چکے ہو، پس جب تم اسلام کی راہ میں مارنے مرنے تک سے آگے گذر کر کام کرتے ہو تو خدا کی طرف سے بھی تمہارا معاملہ انعام و اکرام کی انتہائی خوش انجامی پر جا پہنچا جائے گا اور تمہارے لیے جنت ہی جنت ہو گی،

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ،

اور اللہ سے زیادہ قول و قرار کا پورا کرنے والا کون ہے؟ پس تم لوگ خوش ہو جاؤ: اس خرید و فروخت پر جسے تم نے اللہ سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے (پ ۱۱ - ع ۳)

کسی سے کوئی وعدہ کر لینا بہت ہی آسان اور معمولی کام ہے، لیکن اس کا پورا کرنا بہت ہی مشکل اور اہم کام ہے، پھر اللہ سے بندوں کا عہد و پیمان کرنا اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ کر کے یہ ثابت کرنا کہ واقعی ہم نے اپنے مالک و معبود سے جو عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کر دیا، بہت ہی اہم بات ہے، اور فتح مندی و ظفر مندی کے لئے گارنٹی ہے، مسلمانوں نے اسلام قبول کر کے خدا سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم تیرے تمام اوامر کو تسلیم کر کے ان پر عمل کریں گے، اور تمام نواہی کو مان کر ان سے باز رہیں گے، اور ہماری جان، مال، عزت، اولاد، تن من، دھن سب کچھ اسی لیئے ہے کہ خدا کی راہ میں کام آئے، تو خدا نے اپنے ان پاک بندوں سے ان کی عبدیت کے بدلے میں رحمت و کرامت کا وعدہ فرمایا ہے، جنات و انہار

کا عہد کیا ہے، اور دائمی مسرت وابدی راحت کا پیمان باندھا ہے،
پس کامیاب وکامران ہیں خدا کے وہ بندے جنہوں نے اپنے رب سے کئے ہوئے
سارے وعدوں کو پورا کیا، اللہ کی راہ میں تن، من، دھن کی بازی لگا ئی، اور اس کے اوامرونواہی پر
عمل کیا، اور اس طرح انھوں نے اپنے اعمال و افعال کا زرِ نقد ادا کر کے خدا کی رضامندی
وخوشنودی کو خریدا، اخلاص وایثار کی پونجی خرچ کر کے جنات وانہار کی بہاریں خریدیں،
مال و عزت قربان کر کے دائمی راحت اور ابدی لذت خریدی، ایسے تمام خریداروں کو
مژدہ ہے کہ وہ اپنے سودے میں کامیاب ہیں، اور بے شمار منافع کے مستحق ہیں، ان کی
تجارت نفع بخش اور سودا بازی سودمند ہے، ان کے لئے خدا کی رضامندی ہر وقت موجود
ہے، اور وہ ہر آن اپنے کو شاداں و فرحاں دیکھیں گے،

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا
تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ،

نوح نے کہا اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے
کوئی ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو میرے
لئے مغفرت ورحمت کا معاملہ نہ فرمائے گا تو میں ناکام لوگوں میں سے
ہوجاؤں گا۔ (پ ۱۲۔ ع ۴)

حضرت نوح علیہ السلام اپنی مخاطب قوم کو ساڑھے نوسو برس تک دعوت وتبلیغ کے ذریعہ
حق کی طرف بلاتے رہے مگر قوم کی سرکشی ونافرمانی کم نہ ہوئی، بلکہ فخروغرور کا پارہ اور تیز
ہوتا گیا، دل ودماغ کی بندشیں بجائے ڈھیلی ہونے کے اور کڑی ہوتی گئیں اور وعظ وپند

کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا، جب انسانیت پر اس طرح اتمام حجت کا دور گذر جاتا
تو اس کے لیئے تباہی و بربادی لازمی ہوتی ہے، چنانچہ طوفانِ نوحؑ کا ظہور ہوا، آسمان
کھڑکیاں کھل گئیں، موسلا دھار بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا، زمین جل تھل ہو گئی،
ٹیلے، گڈھے، کھیت، جنگل، باغ، درخت، نالے، ندی، نیچا، اونچا، غرضکہ طوفانِ نوح
یلغار نے زمین سے تمام امتیازی نقوش ختم کر کے اوپر آسمان اور نیچے پانی کا سما
دیا، آسمان کے نیچے، پانی کے اوپر، فضا کے درمیان ایک نوحؑ کی کشتی ہے جو کائنا
سہارا ہے، اسی کا دوسرا نام دنیا ہے، اور اس کے کشتی بان حضرت نوحؑ
نام آدم ثانی ہے،

عین اس وقت جب کہ سیلاب کا طوفان چلا اور زمین سے خیر و برکت و حلے
اور جن افراد یا جن چیزوں میں استعداد و قابلیت تھی، ان کو حضرت نوحؑ اپنے سا
کشتی میں لینے لگے، اسی وقت صلبِ نوحؑ کا ایک جوہر سنگ ریزہ ہو گیا، دل کا ایک
ٹکڑا پتھر بن گیا، نیکی کا ایک پھل بدی کے ہاتھ لگ گیا، یعنی حضرت نوحؑ کا بیٹا کفا
و مشرکین کی ٹولی میں چلا گیا اور باپ سے بغاوت کر کے کفر و شرک سے رشتۂ حیات جو
لیا، حضرت نوحؑ کا پدری رشتہ جوش میں آیا، بیٹے سے کہا کہ آ کر کشتی میں بیٹھ جا، مگر ا
کافرانہ ذہن کی بات کہی اور اس عالم میں بھی خدا سے منحرف رہا، جب اسے اپنی گم
کی عبرتناک سزا حضرت نوحؑ کے سامنے ملنے لگی، اور وہ موجوں میں ہچکولے کھانے ل
تو پھر حضرت نوحؑ کی شفقت پدری نے اپنا آخری کام کیا، اور کہا کہ اے خدا! بہر حا
میرا بیٹا ہے، اسے بچا لے، اس عالم میں حکم ہوا کہ یہ بیٹا تمہاری رشتہ داری سے خار
ہو چکا ہے، صالح اور غیر صالح میں کوئی رشتہ نہیں، نیکی اور بدی میں کوئی علاقہ نہیں

اس اعلان کے بعد حضرت نوحؑ نے اعتراف کیا کہ خداوندا تیرا قول برحق ہے، میں نے
جو کچھ کہا اور کیا ہے صرف انسانیت کے رشتہ سے کیا ہے، ورنہ واقعہ بھی ہے کہ حق وباطل
میں رشتہ نہیں ہے،

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ
قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ. قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى
خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ

اور کہا — (عزیزِ مصر) نے کہ اس (یوسفؑ) کو میرے پاس لے
آؤ، میں اسے اپنے لئے مخصوص کرلوں گا، پس جب اس نے حضرت
یوسفؑ سے گفتگو کی تو کہا کہ آپ آج سے ہمارے یہاں ایک محترم
مقام کے مالک اور امین ہوگئے، حضرت یوسفؑ نے کہا کہ تو مجھے
زمین کے خزانوں پر مقرر کردے، بیشک میں محافظ اور علم رکھنے
والا ہوں، (پ ۱۳ - ع ۱)

حضرت یوسفؑ علیہ السلام اور عزیزِ مصر کے درمیان یہ گفتگو اس وقت کے بعد ہوئی
جب کہ شہنشاہِ مصر کے محل میں عشق ومعاشقہ کا کرتب جاری تھا، اور دربار سے لیکر جیل خانہ
تک حسن ومحبت کے اثرات سے متاثر تھا، ادھر قصرِ شاہی میں عشق وحسن کی سحرکاری جاری
تھی، حضرت یوسفؑ اپنی عصمت مآبی کے نتیجہ میں جیل کی زندگی کاٹ رہے تھے، شاہ مصر
زلیخا کی نازبرداری میں مصروف تھا، اور ادھر پورا ملکِ مصر قحط، خشک سالی اور گرانی
ونایابی کی نذر تھا اور صورتِ حال کی ابتری اس طرح پھیلی تھی کہ رعایا کی بھوک نے شاہی

محل کے معاشقہ مین سنسنی پیدا کردی، اور تردد و پریشانی کی شدت نے شاہ
زندگی مین انقلاب پیدا کردیا، شاہ مصر نے پریشان کن خواب دیکھا، اور فکر و تردد مین
گم ہوگیا، کوئی بات سمجھ مین نہین آتی تھی، آخر حضرت یوسفؑ کی بصیرت کو دعوت دی
کہ معاملہ نازک حالت کو پہنچ چکا ہے، رہبری فرمایئے، نبوت و رسالت کا منشاء انسانی
زندگی کو سنوارنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے، اس نازک وقت پر وہی ذہن و دماغ کچھ
سوچ سکتا ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ جیل جانے سے بلائے گئے، اور قصرِ شاہی کی سا
اکڑ فون اس ایک معتوب کے قدمون پر قربان کی گئی، زلیخا کی رضامندی و ناراضگی کا کو
خیال نہین ہے، پس خواہش یہی ہے کہ اب یوسف ہی حکومت کے کام آسکتے ہین، و
حکومتِ مصر کے خاص و مخصوص رازدار اور نظم و نسق کے مالک بنائے جائین
اہمیت و امانت کا جو مقام ان کے لیئے ہو کسی کے لیئے نہین ہو

حضرت یوسفؑ نے بھی جب حالات سازگار دیکھے کہ اب شہنشاہیت کا خ
ٹوٹ چکا ہے، اور اس کی تمام تر طاقت نبوت و رسالت کے سامنے سپر انداز ہوگئی ہے
اور یہ وقت انسانی خدمت کا ہے، تو آپ نے اطمینان دلایا، اور اپنی استعداد و صلا
کی یقین دہانی کرتے ہوئے حکومت کا کلیدی شعبہ اپنے قبضہ مین کرلیا،

(۱) نیکی و صلاحیت کے ساتھ شہنشاہیت اور حکومت پوری طاقت سے پیش
آتی ہے، مگر چند ہی دنون مین اُسے شکست ہوجاتی ہے، اور اُسے صداقت کے سامنے گھٹنے
ٹیکنا پڑتا ہے،

(۲) اربابِ صدق و صفا حالات کی سازگاری کے انتظار مین سب کچھ برداشت
کرتے جاتے ہین، اور اس حال مین بھی اپنا مشن جاری رکھتے ہین، اور جب حالات

رخ بدل جاتا ہے تو اپنی مقابل طاقت کو اپنی ہمنوا طاقت بنا کر اس سے کام لیتے ہیں،

(۳) ارباب صدق و صفا خاموشی سے کام کرتے ہین، اور جب کھل کر کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو اپنی ذاتی صلاحیت و قابلیت کے اجاگر کرنے مین بخل نہین کرتے بلکہ نہایت صفائی سے وہ ذمہ داری کو خود آگے بڑھ کر قبول کرتے ہین جو ان کے مقام کے مناسب ہوتی ہے،

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ،

اور جب برادرانِ یوسف کا کاروان چلا تو ان کے باپ نے (کنعان) میں کہا کہ مین یقیناً یوسف کی مہک پا رہا ہون، تم لوگ مجھے نادان نہ کہو، (پ ۱۳- ع ۵)

حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیون کو اپنا پیراہن دے کر روانہ کیا، کہ تم لوگ پہلے مصر سے نکل کر کنعان والد کی خدمت مین پہنچو، اور میرا یہ پیراہن ان کے چہرے پر ڈالدو، میرے فراق مین روتے روتے ان کی گئی ہوئی آنکھ کی روشنی واپس آجائے گی اور وہ دیکھنے لگین گے، چنانچہ برادران یوسف کا کاروان مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا، اُدھر مصر سے پیراہنِ یوسف کو لیکر کاروان چلا، ادھر کنعان مین بیٹھے ہوئے بوڑھے باپ حضرت یعقوب علیہ السّلام کہہ اٹھے کہ مجھے یوسفؑ کی مہک محسوس ہونے لگی ہے، اور مجھے برملا اپنے کھوئے ہوئے بیٹے کی بشارت ہو رہی ہے، اے حاضرین تم چونکہ پدر و پسر کے ان نازک تعلقات تک نہین پہنچے ہو، جہان ان حقائق کا انکشاف

ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ تم لوگ مجھے دیوانہ کہدو، اور اس کی تصدیق مین نہین تامل ہو، مگر محبت و رافت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچنے والا میری تصدیق کرے گا۔

عشق ومحبت اور علاقہ وتعلق کی اس نازک گھڑی کا مشاہدہ ابھی تک وہ لوگ کرتے ہین جن کو اپنون سے پاک وطیب محبت ہوتی ہے، اور دوری ونزدیکی کا فرق ان کے لطیف احساس مین کوئی تبدیلی نہین کرتا، شدتِ محبت کے نازک مقام سے جو لوگ نا واقف ہین وہ آج بھی ان وجدانی باتون کو نہین سمجھ سکتے، مگر جن پاکبازون نے اپنی زندگی کے لطیف احساسات کو محبت کے اس مقام سے وابستہ کر لیا ہے، وہ آج بھی اپنے اندر اپنے یوسفِ گم گشتہ کے بارے مین پیرِ کنعان کا یہ پتہ پاتے ہین، یہ باتین سمجھانے سے سمجھ مین نہین آتی ہین، بلکہ خود ہی سمجھی جاتی ہین،

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ،

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار اس شہر مکہ کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹون کو اس سے بچا، کہ ہم بتون کی پوجا کرین، اے میرے پروردگار! ان بتون نے بہت سے انسانون کو گمراہ کر دیا ہے، (پ ۱۳ - ع ۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے بعد کی دنیا مین توحید پرستی کے سب سے عظیم الشان داعی اور دین وحدت کے موسّس وبانی کی حیثیت رکھتے ہین، حضرت ابراہیمؑ نے جس دور

ہیں آنکہ کھولی وہ بت پرستی کے شباب کا دور تھا، ہر مذہب مظاہر پرستی کی لعنت میں مبتلا تھا اور خدائی تصورات کی تمام حقیقتیں ان ہی مظاہر میں بٹ گئی تھیں، اور خالص توحید پرستی مفقود تھی، آپ نے اپنے دور کے کافرانہ اور مشرکانہ حالات کا جائزہ لیا اور پھر اس نتیجہ پر پہونچے کہ دینِ وحدت اور توحید پرستی کے لیے دنیا میں سب سے بڑی مصیبت اصنام پرستی کی لعنت ہے، ان استھانوں اور تھانوں سے وہ ہمیت پھیلتی ہے جو وحدت پرستی کی فضا کو خراب کر دیتی ہے، جب تک پتھر کے بت، لکڑی کے اصنام اور دریا، پہاڑ، آگ، چاند، سورج، ستارے، انسان کی نظر میں خدائی صفات کے مظاہر بنکر اپنی پوجا کراتے رہیں گے اُس وقت تک توحید کی بنیاد انسانی دل میں جگہ نہیں پکڑ سکتی، اس لیے اس لعنت کا ختم کرنا ضروری ہے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ میں کعبہ کو اپنی دعوتِ دینِ حنیف کا مرکز بنا کر اپنے، خدا سے دعا کی کہ اے خدا! مجھے اور میری نسل کو بتوں کے جنجال سے نکال دے، تاکہ یہ نسل دنیا میں توحید پرستی کی دعوت کو عام کر سکے، اور دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح مذہب حنیف میں بھی ایسا نہ ہو کہ آخر میں چل کر اس کے داعی بھی وہی کرنے لگیں، جو پہلے مذہبوں کے پیرؤں نے کیا ہے، افسوس کہ مسلم قوم کے افرادِ دینِ حنیف پر چلنے کا دعویٰ کر کے شرکِ خفی کیا شرکِ جلی تک کرتے ہیں، اور اسلام کے نظریۂ توحید میں عجمی نظریہ کا پیوند لگا کر اسے ملیا میٹ کر رہے ہیں، مسلمانوں کو ان الجھنوں سے نکل کر خالص وحدت پرستی کی راہ اختیار کرنی چاہیئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ،

(ابراہیمؑ نے کہا، سب تعریف اس خدا کے لیئے ہے جس نے بڑھاپے

پر مجھے اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کو عطا فرمایا ہے، بیشک میرا پروردگار دعا کا

سننے والا ہے' (پ ۱۳ - ع ۱۸)

قانون قدرت کی عام روش یہی ہے کہ ایک قسم کے حالات کے تقاضے کے مطابق دوسرے قسم کے حالات ہوتے ہیں، جب پیاس کی شدت بڑھ جاتی تو بارش ہوتی ہے، جب بدلی آسمان پر چھاتی ہے تو بارش کے قطرے گرتے ہیں، جب سورج ڈوبتا ہے تو شام ہوتی ہے، جب سورج نکلنے لگتا ہے تو صبح ہوتی ہے، اور جب صبح و شام کی درمیانی مدت آتی ہے تو کبھی دنیا اُسے دن سے تعبیر کرتی ہے، اور کبھی رات کہہ کر پکارتی ہے،

قدرت بہر حال قدرت ہے، اس نے جو نظام مقرر فرمایا ہے، اسی نظام کے ماتحت حالات و واقعات کا ظہور ہوتا ہے، اس نظام کے دو رخ ہیں، ایک وہ رخ ہے جو دنیا کے سامنے عمومی حالات میں رہتا ہے، اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نظام قدرت ہے یا بالفاظ دیگر یہ نظامِ قدرت کا عمومی حال ہے، دوسرا رخ وہ ہے جو خاص خاص حالات میں ظہور پذیر ہوتا ہے، اور اس کی غرابت و ندرت اس درجہ کی ہوتی ہے کہ جب کبھی وہ رخ سامنے آجاتا ہے تو دنیا اچنبھے میں پڑ جاتی ہے، اور اسے خلاف عادت یا دوسرے نام سے یاد کرتی ہے، لیکن اس رخ کو دوسرا نام دیدینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نظامِ قدرت کے ماتحت نہیں ہے، بلکہ اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، اور نظام قدرت کا یہ رخ بھی پہلے رخ کی طرح نظر آتا رہتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات اس میں تعجب ہونے لگتا ہے، سرسبز و شاداب درخت سے آگ بن جانا، دریاؤں میں آتشیں مادّوں کا ظاہر ہونا، اور آگ کے اندر سمندر کیڑے کا پرورش پانا کون سے تعجب کی بات ہے، یہ خدائی قدرت کا عام کرشمہ ہے، اسی طرح یہ بھی ایک کرشمہ ہے، کہ بڑھاپے میں جب کہ اولاد کا تصور بھی عام حالات

ین نہین ہوتا اللہ تعالیٰ اولاد دیتا ہے اور ایک نہین بلکہ دو دو، اس خدا کی قدرت کے لیے یہ بات بہت ہی آسان ہے جو سڑی گلی ہڈیون مین زندگی ڈال کر گوشت اور چمڑے کا جسم بنادے گا، انعامات خداوندی اور اس کی بخششون کے نزدیک یہ باتین کوئی اہمیت نہین رکھتی ہین، بس فیضانِ خداوندی کے لیے اہلیت و قابلیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے،

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا،

آپ کہیئے کہ اے میرے رب! تو مجھے سچائی کے ساتھ لے جا اور سچائی سے نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے ایسی قوت دے جو مددگار ثابت ہو (پ ۱۵ - ع ۹)

مسلمان کی پوری زندگی امن و امان، صدق و صفا، حق و حقانیت اور ایثار و اخلاص کی پونجی ہے، مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر سانس ایک مقدس نظام کے ماتحت نکلے، ہر حرکت ایک روحانی ضابطہ مین ہو، اور ہر قول و فعل کے اندر ذمہ داری کا احساس ہو، پس مسلمان کا داخل ہونا اور نکلنا، چاہے کسی مقام اور جگہ مین، چاہے کسی حال مین ہو چاہے کسی عمل مین ہو، چاہے کسی قول مین ہو، غرضکہ ہر قسم کا نکلنا اور داخل ہونا صدق و صفا کے ماتحت ہو اور زندگی کا کوئی داخلی یا خارجی حصہ دینی نظام کے باہر نہ ہو، پس گھر سے باہر نکلنا ہو یا باہر سے گھر مین داخل ہونا ہو صدق و صفا کے طور پر ہونا چاہیئے، پھر یہ دخول و خروج، امیری سے غریبی کی طرف ہو یا غریبی سے امیری کی طرف اور یا زندگی کے دوسرے شئون و حالات مین انقلاب و تغیر اور خروج و دخول ہو سب مین سچائی، حقانیت، امن، سلامتی

اور خدا کی حاکیت اعلیٰ کے یقین کی جھلک ہونی چاہیئے،

اس کا مطلب یہ نہین کہ مسلمان رات دن عبادت و ریاضت ہی مین لگا رہے اور دنیا سے اسے کوئی مطلب نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندگی کے تمام اعمال و حرکات کو دین و دیانت اور صدق و صفا کے ایسے سانچے مین ڈھال لیا جائے جو اس بات کا ضامن ہے کہ انسان کی پوری زندگی نیکی اور ذمّہ داری کی زندگی بن جاتی ہے، اور اس مین بے راہ روی سرکشی، شرارت اور لاپروائی کا مادّہ باقی نہین رہتا،

پس اے مسلمانو! دیکھو کہ ہمارے رسول جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ صدق و حق مین ڈوبا ہوا تھا، ان کو تعلیم دی جاتی ہے کہ آپ اپنے پروردگار سے ایسی دعا کرین، اس کا مطلب یہ ہے یہ بات اتنی اہم ہے کہ رسول کو مخاطب کر کے ان کے ذریعہ سے امت کو بتائی جا رہی ہے، لہٰذا تم بھی اپنی زندگی کے خارج اور داخل کو صدق و صفا کے سانچے مین ڈھال لو،

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى، وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا،

اور جو لوگ ہدایت یاب ہوئے اُن کو اللہ اور بھی زیادہ ہدایت دیتا ہے' اور باقیات صالحات تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب اور نتیجہ کے اعتبار سے بہت اچھی چیزین ہین،

(پ ۱۶ - ع ۸)

دنیا مین حالات کی سازگاری اسی شخص کے لئے ہے جو آگے بڑھ کر اپنی استعداد و صلاحیت کو اجاگر کرے اور ثابت کرے کہ مین اس کام مین آگے بڑھنے کے قابل ہون

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی آدمی کسی کام کی ابتدا مین اپنی کوشش اور دلچسپی کو
اس طریقہ سے آگے بڑھائے کہ کام لینے والا خود کہدے کہ ہان اس آدمی مین ہمت اور حوصلہ
ہے یہ شخص واقعی یہ کام اور اسی قسم کے دوسرے کام کرسکتا ہے، اب صورتِ حال یہ
ہوتی ہے کہ ایک طرف اس آدمی کی ذاتی محنت وقابلیت ہوتی ہے اور دوسری طرف
کام لینے والے کی توجہ اس کی جانب ہوتی ہے،

اور پھر یہ سلسلا آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے، یہی حال رشد وہدایت کے بارے مین بھی
ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم اپنے یقین وعمل کے بل بوتے پر آزمائش مین پوری اترتی ہے،
اور اپنی ذمہ داری کو نہایت خوبی سے انجام دیتی ہے تو پھر فیضانِ خداوندی کا سلسلہ
شروع ہو جاتا ہے، اور رشد وہدایت کی جس قدر خوبیان ہوتی ہین، سب کی سب جمع ہو جاتی
ہین، کیونکہ رشد وہدایت کی جو اچھی گھڑیان گذرتی ہین وہ باقیات صالحات مین شامل ہو جاتی
ہین، اور ان کے صالح نتائج دوسری نیکیون کی توفیق کی صورت مین نمودار ہوتے ہین،
پس جس فرد یا قوم کے گذشتہ کارنامے "باقیات سیئات" ہون گے، اس کی آیندہ زندگی
سراسر ناکامی ومحرومی مین گذرے گی اور جو زندگی باقیات الصالحات سے لا مال ہوتی ہے، وہ اپنے
مستقبل مین بھی انعام واکرامِ خداوندی سے فیضیاب ہوتی رہتی ہے، پس اے لوگو! اپنے
موجودہ کارنامون سے ثابت کرو کہ تم برکاتِ خداوندی سے سزاوار ہو، اور تم پر بھی انعام
واکرام کی نظر ہونی چاہیئے۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدَىٰ ،

اور بیشک مین اس شخص کے لیئے بہت ہی مغفرت کرنے والا ہون جس نے
توبہ کی اور ایمان کو اختیار کیا اور عمل صالح کیا اور پھر وہ ہدایت پر رہا،

(پ ۱۶-ع ۱۳)

خدا اپنی غفاریت اور لاانتہا فیضان و مغفرت سے بہرہ یاب ہونے کے سلسلہ مین بیان فرما رہا ہے کہ دنیا و آخرت مین خداوندی انعامات کی بارش کے لیئے جس کی کھیتی کی ضرورت ہے اس کی تمام استعدادین اور صلاحیتین اجاگر ہون اور خداوندی فیضان کا جو قطرہ اس پر گرے وہ رائگان نہ جائے،

(۱) سب سے پہلے انسان تمام گذشتہ مشرکانہ و کافرانہ عقائد و خیالات اور اعمال و رسوم سے دامن جھاڑلین اور توبہ و انابت الی اللہ کی روح سے بھر جائین تاکہ توحید و خداپرستی کا جو خاکہ دل و دماغ اور اعضاء و جوارح پر کھینچا جائے وہ پوری طرح ثبت ہو سکے؛

(۲) اس کے بعد ایمان و اسلام کی راہ قبول کی جائے، اور یقین و عمل کی تمام قدرون کو توحید و رسالت کے تقاضون پر ابھارا جائے، اور ایسی زندگی پیدا کی جائے جو تسلیم و رضا کا پیکر ہو، اور جس مین عصیان و طغیان کا نام و نشان تک نہ ہو،

(۳) پھر شرک و کفر سے بیزاری اور ایمان و اسلام سے یارانہ کے بعد انعام خداوندی کی آخری منزل عمل صالح کی رہ جاتی ہے، جب تک انسان پہلے کی دونون راہین کو طے کرنے کے بعد اس منزل پر نہین آئے گا، اس وقت تک فیضانِ خداوندی کے استحقاق کی دنیا مین کوئی ذمہ داری نہین ہے، اور اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے کے لیئے کوئی ظاہری اور قوی دلیل نہین ہے،

(۴) فیضانِ الٰہی اور انعام خداوندی کے دائمی طور پر جاری و ساری رہنے کے لیئے

ضروری ہے کہ یہ باتین ہنگامی اور وقتی نہ ہون، بلکہ اس زندگی مین دوام ہو اور رشد و ہدایت کی دائمی راہ ہمیشہ اعمال و عقائد سے معمور رہا کرے،

خوب سمجھ لو دنیا و آخرت مین پروردگار دو عالم کی بخششون اور اس کی نوازشون سے فیضیاب ہونے کے لئے یہ چیزین ضروری ہین، کافرانہ و مشرکانہ اعتقاد و عمل کے ساتھ ساتھ ایمان و اسلام کی باتین کر لینے سے انسانیت کو یہ مقام نہین مل سکتا،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ،

اور جن لوگون نے کہ اللہ کی راہ مین ہجرت کی، پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا مر گئے تو اللہ ان کو یقیناً اچھی روزی دے گا، اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے، (پ ۱۷ - ع ۱۵)

خدا کی راہ مین نکلنے کا کیا مطلب ؟ اور کن حالات مین انسان خدا کی راہ مین نکل سکتا ہے؟ پہلے ان دونون چیزون کو سمجھئے، خدا کی راہ صدق و صداقت کی راہ ہے، عدل و عدالت کی راہ ہے، حق و حقانیت کی راہ ہے، ان ہی سچائیون کی طلب مین نکل پڑنے کا نام خدا کی راہ مین نکلنا ہے، اس کی مختلف صورتین ہین، اور مختلف حالات مین جدا جدا احکام و اوامر ہین، کفار و مشرکین کے غلبہ کے وقت دین و دیانت کی برقراری کے لئے ایمان و عمل کو لے کر وطن، خاندان، معاشرہ اور مال و دولت سے الگ ہو جانا اور ایسی جگہ چلے جانا، جہان بلا خوف و تردد خدا کی عبادت و بندگی ہو سکے، اور سچائیون کی تبلیغ اور اس کے برتنے مین کسی قسم کی ناگواری نہ پیدا ہو، اس کا نام اسلام کی لغت مین "ہجرت" ہے، یہ بھی خدا کی

راہ مین نکلنا ہے، حق کی تبلیغ واشاعت کی راہ سے سنگ گران کا دور کرنا اور آڑے آنے والی کافرانہ ومشرکانہ طاقتوں سے ٹکر لینا بھی خدا کی راہ مین نکلنے کا اہم ترین مرتبہ ہے' پھر امن وسکون کی راہ مین اعلاء کلمۃ الحق کے لئے اصلاح وتبلیغ کی سعی بھی راہ خدا مین نکلنا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اشاعت مین وعظ ونصیحت، ارشاد وتذکیر کے لیئے بستیون مین آنا جانا بھی خدا کی راہ مین نکلنا ہے، بہرحال غلبۂ کفار کی وجہ سے حق کی حفاظت کے لئے نکلنا، اسلام کی راہ مین سنگ گران بننے والی طاقتون سے جہاد کے لئے نکلنا، اصلاح وتبلیغ کے لیئے نکلنا یا کسی اور دینی تقاضہ کی ادائیگی مثلاً حج وغیرہ کے لیئے نکلنا، خدا کی راہ مین ہجرت ہے' اور جو لوگ خدا کی راہ مین کسی بھی طرح کام آئے تو وہ خود سراسر کامیاب و بامراد ہوتے ہین اور ان کی وجہ سے وہ زندگی اور وہ قوم زندہ وپائندہ ہوتی ہے جس کے داعی ونقیب بن کر وہ نکلتے ہین، پس فلاح ونجاح کی روزی پانے کے لیئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ مین جیسے حالات ہون ان کے مطابق نکلا جائے' اور کام کرکے اپنی اہلیت واستعداد کا ثبوت دیا جائے،

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ

یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے، انھون نے تمھارا نام "مسلم" رکھا ہے،

(پ - ۱۷ - ع - ۱۷)

یہ ملت جسے دنیا "اسلام" کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کے پیرو کار "مسلم" کے لقب سے پکارے جاتے ہین ملت حنیفیہ ہے جس کی تکمیلی اور کروار کی نبیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے، چونکہ وہ اس تحریک کے باقاعدہ بانی ہین اور انھون نے اس کا نام "اسلام" اور اس کے پیروکارون کا نام "مسلمین" تجویز فرمایا ہے' اس لیئے وہی "مورث اعلیٰ" کی حیثیت رکھتے ہین اور

گویا اسلامیون کے باپ ہین" اس تحریک کا ہر وہ انسان وارث بن سکتا ہے، جس مین ابراہمیت پائی جاتی ہے اور جو اپنے عقیدہ وعمل مین خلیلی عقیدہ وعمل پیدا کرے، چونکہ یہ تحریک قوم ونسل، ملک ووطن اور اوقات وایام سے بہت بالا ہے، اس لیے اس کی بحالی کے لیے ہر شب شب برات اور ہر روز روز عید ہے اور اس کی یادگار کے لیے مسلم قوم کے آخری ہادی ورہبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن مقرر فرمائے ہین، عید "الفطر" اور "عید الاضحی" اس لیے ان مقدس دنون مین ابراہمیت کی یاد تازہ کی جاتی ہے اور حنیفی یقین وعمل کو دہرایا جاتا ہے،

پس اے ابراہیم کے سپوتو! اور اسلام کے وارثو! حقیقت حال کو سمجھو اور عید کے دن کو اپنی ملی اور اجتماعی زندگی کے لیے عید کا دن بناؤ،

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ،

اور یہ تمھاری امت، "امت واحدہ" ہے، اور مین تمھارا پروردگار ہون،

پس مجھ سے ڈرو، (پ ۱۸- ع ۴)

اوپر کی آیت مین فرمایا گیا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزون اور پاکیزہ کمائی سے کھاؤ اور نیک کام کرو، اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ اے رسولو! تم مین سے ہر ایک کی امت ایک امت ہے، اور مین تمھارا اور تمھاری امتون کا پروردگار ہون، اس لیے تم لوگ دنیا مین صرف ایک ہی اللہ سے ڈرو اور اسی کی عبادت کرو،

اسلام انسانون مین تفریق نہین کرتا، اس کے نزدیک نسل و رنگ کا اختلاف، ملک وقوم کا تضاد، آب وہوا اور جغرافیہ کا تباین کوئی بنیادی حیثیت نہین رکھتا، بلکہ یہ باہمی اختلاف صرف باہمی تعارف وشناسائی کے لیے ہے تاکہ انسانون کو پہچانا جا سکے کہ کس ملک اور کس

مناؤں سے اس کا تعلق ہے، ورنہ اسلام تو وحدت انسانی کی بنیاد رکھتا ہے، وہ تمام انسانوں کو ایک اللہ کی مخلوق، ایک آدم کی نسل اور ایک فطرت پر قرار دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق کرتا ہے اور خدا کے فرمانبردار بندوں اور نافرمان لوگوں میں امتیاز قائم کرکے بتاتا ہے کہ جو لوگ کسی نبی پر ایمان لاچکے ہیں، وہ تمام انسانوں سے جدا ہوگئے ہیں کہ انھوں نے ایک صحیح دعوت پر لبیک کہی ہے اور وہ ایک نظام زندگی میں آگئے ہیں، بخلاف دوسروں کے کہ ان کی زندگی افتراق و انشقاق اور بدی کی نذر رہتی ہے، اور ان کے لئے کسی قانون اور ضابطہ کی پابندی نہیں ہے،

قرآن حکیم مسلمانوں سے یہی کہتا ہے کہ تم لوگ آخری رسول پر ایمان لاکر دنیا کی بستی میں اُمّت واحدہ بن چکے ہو، تمہارا فرض ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اپنے اعتقاد و عمل سے اظہار کردو، اور زندگی کے ہر مرحلہ پر اسی کے سامنے اپنے کو جوابدہ سمجھو،

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے لئے ہمارے جوڑوں سے اور ہماری آل اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش دے اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے، (پ ۱۹ ـ ع ۴)

دنیا میں انسانوں کو اپنی جان کے بعد سب سے زیادہ پیاری چیز اس کی عزت و آبرو ہے، آدمی اپنی عزت کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا، پھر اس کے بعد انسان اپنی خانگی زندگی کی خوشگواری کے لیے بیتاب رہتا ہے، اور اپنی زندگی کے داخلی پہلو کو اس طریقہ پر گذارنا چاہتا

ہے کہ اس کی زندگی کا خارجی پہلو بھی تابناک اور روشن ہے، زن وشوئی کی زندگی، آل واولاد کی زندگی اور متاہل زندگی اس حسن و خوبی سے گذرے کہ تمدن و معاشرت کی زندگی، سماج اور قوم کی زندگی اور اجتماع و ائتلاف کی زندگی خوشگوار ہو جائے، یہی زندگی کامیاب ہے، اسی زندگی کے لئے دنیا میں ہمیشہ سے نیکوں اور شریفوں نے تمنا کی ہے، دنیا میں زن وشوئی کی زندگی گذارنے والے اور بال بچوں کے پیدا کرنے والے کم نہیں ہیں مگر وہ لوگ ضرور کم ہیں جن کے نزدیک زن وشوئی کی زندگی کا نتیجہ سراسر خیر و نیکی ہونا چاہیئے، جو اپنے جوڑوں کے لئے خوش بختی و خوش نصیبی اس بات میں سمجھتے ہیں کہ ان سے ایسی صالح اور نیک اولاد ظہور پذیر ہو جو آنکھوں کے لئے نور اور دل کے لئے سرور ہو، اپنے لیئے باعثِ سرخوشی و تسکین ہو، اور غیروں کے لئے باعث فخر و سکون ہو، اپنی آنکھ بھی ٹھنڈی ہو دوسروں کی آنکھ بھی ٹھنڈی ہو، ماں باپ اور بچے دین و دیانت، ایمان و امانت، صدق و صداقت اور حیا و عفت کے سانچے میں ڈھلے ہوں، پورا گھرانا نیکوں کے لئے راہبر بنے، سچوں کے لئے پناہ ثابت ہو، اور ایمان داروں کی پشت پناہی کرے، اور نہ صرف یہ کہ خود نیک ہو، بلکہ نیکوں کی سرداری و پیشوائی کا فخر اسے حاصل ہو،

اے انسانو! دنیا میں ازدواجی زندگی کا صحیح مفہوم اگر سمجھ سکتے ہو تو سمجھو اور اگر اس کے مطابق عمل کر سکتے ہو تو کرو، نیک جوڑے کی طرح زندگی بسر کرو، نیک اولاد کی دعا مانگو اور نیک ارادوں سے آل اولاد کی پرورش کر کے اپنی متاہل زندگی کو دیانت و تقویٰ کے لیئے پشت پناہ بناؤ تا کہ تمہارا گھرانا دنیا میں عز و شرف کا تمغہ حاصل کر کے آخرت میں سرفراز و سربلند ہو،

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ. قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ، إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ۔

جادوگرون نے کہا کہ ہم نے مان لیا عالم کے پروردگار کو جو موسیٰ وہارون کا پروردگار ہے، فرعون نے کہا کہ میرے حکم دینے کے پہلے ہی تم لوگ اس کو مان گئے، موسیٰ تمہارا بڑا ہے جس نے تم لوگون کو جادو سکھایا ہے، تم عنقریب جانوگے مین یقیناً تمہارے ہاتھون اور پیرون کو کاٹ دون گا، اور تم سب کو سولی دون گا، ان لوگون نے کہا کوئی ڈر کی بات نہین ہے، ہم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، ہم امید رکھتے ہین کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤن کو معاف فرمائے گا، کیونکہ ہم پہلے مومن ہین،

(پ ۱۹ - ع ۷)

زندگی کے دن بدلتے دیر نہین لگتی، اور اس بارے مین امکانات و توقعات کا معاملہ کوئی بنیادی معاملہ نہین ہے، جب قسمتون کا پانسا پلٹتا ہے تو اسباب و وجوہ کی اثر اندازی ہوتی ہے، مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے شان وگمان یک بیک حالات بدل جاتے ہین اور دنیا کی نظر حسرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا، دلون کی دنیا مین انقلاب و تغیر کے بارے مین عموماً یہی صورت رونما ہوتی ہے، اس کی مثال ہمارے آپ کے سامنے آتی رہتی ہے، اور ہم دیکھتے رہتے ہین کہ ذہنون کی دنیا مین انقلاب آتے دیر نہین لگتی، قرآن حکیم فراعنۂ مصر کے تابناک دور کا ایک واقعہ بیان فرما کر اس حقیقت کو واضح فرما رہا ہے کہ جب کسی قوم

کسی فرد کی قسمت جاگتی ہے تو کس طرح آناً فاناً کام ہوتا ہے، وہی جادوگر جو اپنے فن کے امام تھے مملکت مصر بھر میں جن کے فن کا شہرہ تھا، اور جو چن چن کر حضرت موسیٰ کے مقابلہ کے لئے شہنشاہ مصر کے دربار میں لائے گئے تھے جن کو خود اپنے فن پر اس قدر اعتماد و ناز تھا کہ وہ اپنے کو پہلے ہی سے سو فی صدی کامیاب سمجھتے تھے اور جنھوں نے فرعون سے اپنی محنت کا پھل چکھنے کا وعدہ لے لیا تھا جب وہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ پر کھل آئے تو ان پر حق کھل گیا، حقیقت واضح ہو گئی اور آنکھ پر جتنے پردے پڑے تھے، ایک ایک کر کے ہٹ گئے، دلوں کے قفل کھل گئے اور زبان آزاد ہو گئی۔ اور حق کی روشنی میں باطل کے جتنے مظاہر سے تھے نگاہوں سے نہاں ہو گئے، نہ فرعونی ہیبت آڑے آئی، نہ انعام و اکرام کا تصور باز رکھ سکا۔ اور نہ نتیجہ کی نزاکت روک پیدا کر سکی، بلکہ شکست دینے والے شکست کھا گئے، فتح کرنے والے مفتوح ہو گئے، اور شکار کو آنے والے شکار بن گئے، بتاؤ کہ ان کے دلوں کی دنیا بدلنے میں کتنے سکنڈ صرف ہوئے، کتنی ساعتیں لگیں، کتنے منٹ گذرے، پہلے سے نہ خود اس کا تصور، نہ بلانے والوں کو اس کا وہم و گمان، نہ خود حضرت موسیٰ کے دل میں کوئی خیال مگر قدرت مسکرا رہی تھی کہ تم سب دیکھتے رہو، تماشا ہم دکھاتے ہیں، دل تو گویا اللہ کی دو انگلیوں میں ہے، اسے وہ جیسے چاہے الٹے پلٹے تقدیر و قسمت کا مسئلہ بھی ایسے مقامات پر بہت صفائی سے حل ہوا کرتا ہے، اور اقرار و تسلیم کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔

یہ لوگ دو مرتبہ اپنا اجر پائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ صبر کرتے تھے اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دفع کرتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی تھی اس میں

سے خرچ کرتے تھے۔ (پ ۲۰ - ع ۹)

خدا کا قانونِ مجازات عام ہے۔ یعنی جو بھی انسان نیکی کریگا اس کے مطابق نیک جزا پائے گا اور جو بھی انسان برائی کرے گا اس کے موافق بری جزا پائے گا۔ اس قانونِ مجازات مین ذرہ برابر کسی کے لئے لچک نہین ہے۔ بلکہ وہ اٹل حقیقت ہے۔ البتہ نیک اعمال کی جزا کے معاملہ مین قانون کی خانہ پری کرنے کے بعد فضل خداوندی اگر چاہے تو انعام و اکرام کے طور پر مزید نوازش کرسکتا ہے۔ اور اس بارے مین اس پر کوئی حرف نہین رکھ سکتا ہے۔ جہان تک برے اعمال کا تعلق ہے ان کا بدلہ بھی پورا دیا جائے گا۔ اور ذرہ برابر زیادتی نہین کی جائے گی۔

قرآن حکیم یہان پر ایسے برگزیدہ انسانون کا تذکرہ فرما رہا ہے جن کو ایک مرتبہ تو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور پھر اس کے بعد فضل خداوندی اور رحمتِ ایزدی اُن کی حُسن کارگذاری پر مزید فضل و انعام کے طور پر دوہرا بدلہ دے گی، کیونکہ ان مین کچھ ایسی نیک عادتین ہین جو ان کو دوسرے مستحقین سے ممتاز کرتی ہین، (۱) ان مین صبر کی صفت ہے، (۲) وہ برائی کرنے والے کی برائی سہکر نیک بدلہ دیتے ہین، اس مین ایک چیز صبر اور دوسری چیز احسان ہے، (۳) اپنی کمائی مین سے کچھ حصّہ خدا کی راہ مین خرچ کرتے ہین، اور اپنے نوالے مین اپنے غریبون، محتاجون اور مستحقون کا حق سمجھتے ہین، مسلمانو! یہی عادتین تم بھی پیدا کرو اور دوہرے اجر کے سزاوار ٹھہرو۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۔

اور جب وہ لغویات سنتے ہین تو یہ کہہ کر ان سے اعراض کرتے ہین کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہین تم سلامت رہو، ہم جاہلون کو

نہیں چاہتے۔ (پ ۲۰ - ع ۹)

شرافت اور کریم النفسی انسانیت کے لیے بہترین زیور ہے، اگر یہ بات آدمی میں نہیں ہے تو بڑی حد تک اس کی انسانیت بے بہرہ ہے، اسلام انسانیت کو پورے طور پر آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہے، وہ نیکی کا حکم کرتا ہے، نیکوں کے واقعات بیان کرتا ہے، اور نیکی کے نتائج کی خوشگواری سے بھی باخبر کرتا ہے، قرآن حکیم اخلاق و انسانیت کا سرچشمہ ہے، اس میں ذاتی اور اجتماعی زندگی کے لیے ان گنت اخلاقی اور روحانی اصول ہیں، یہاں اس مکرم و محترم گروہ کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے جن کی شرافت کا حال یہ ہے کہ وہ خود تو لغو اور لایعنی باتوں میں کیا پڑیں گے، جب کبھی کسی ایسی جگہ سے گذرتے ہیں جہاں لوگ لغویات میں مصروف رہتے ہیں، تو انہیں دیکھنے اور سننے تک کو گوارا نہیں کرتے، اگر کوئی ان سے الجھتا ہے تو با سلام کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں، اور خاموش کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے حجت مت کرو، ہم اپنے اعمال و خیال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال و خیال کے ذمہ دار ہو، ہم اس سے زیادہ بات کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ گنوارپن، الڑھ پن اور کمینہ پن سے ہم جیت نہیں سکتے۔

اگر مسلمان اخلاق و شرافت کی حفاظت کے لیے یہی رویہ اختیار کریں اور لغویات یا لغو کام سے نفرت کریں اور بدکاروں اور بیہودوں کا ساتھ نہ دیں تو کیا کسی بستی میں برائی کا نام و نشان مل سکے گا۔؟

يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ،

اے میرے وہ بندو جو ایمان لا چکے ہو، میری زمین بہت وسیع ہے، اس لیے میری ہی عبادت کرو، ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے، پھر تو تم سب میرے ہی پاس لوٹ

کرآؤگے۔
(پ ۲۱۔ ع ۲-)

عبدیت و خدا پرستی کی زندگی گزارنے کے سلسلے مین اس قسم کے خدشات عبث ہین کہ اگر ا
پر عمل کیا جائے گا تو آج کی دنیا مین رہنا مشکل ہو گا، اس دور مین مذہب کا گذر نہین ہے، اس ز
مین بھلا آدمی نیکی کر کے کیسے زندہ رہ سکتا ہے، آج جب کہ ہر موڑ پر نئے نئے تقاضے پیدا ہو رہے
ہین، مذہب ہماری زندگی کو کیسے سکون دے سکتا ہے۔ اس قسم کی باتین اس ذہنیت کا نتیجہ ہین
جو ہر انقلاب کے چکّر کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہے، اور خود اس کا اپنا کوئی مقام نہین ہے، اور
نہ کسی ٹھوس بنیاد پر قائم ہے، کیونکہ وہ گری ہوئی ذہنیت ہے، اور اس مین عزم و ارادہ اور بلند
و عروج کی کوئی مقدار نہین ہے، بخلاف اس کے جو لوگ اونچے دل و دماغ کے ہین، وہ دنیا
نہایت اصولی زندگی گذارنا چاہتے ہین، ان کے لیئے دین و دیانت پر عمل کرنا کوئی مشکل نہین ہے
بلکہ وہ ہر مقام اور ہر وقت مین اپنے اصول پر قائم رہ کر اپنا سکّہ جما سکتے ہین، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے
ہی بندون اور ارباب عزیمت سے فرما رہا ہے کہ تم اپنے روحانی اصول پر جمے رہو، اگر کسی مرحلہ
پر ماحول و معاشرہ کی طرف سے مزاحمت ہو تو تم میری دنیا مین اور جگہ تلاش کر لو، اور ہجرت کر کے
اپنے اصول کی حفاظت کرو، اسی لیئے مسلمانون پر فرض ہے کہ جب اُن کے دین پر پابندی ہو اور
وہ مجبور ہو جائین، تو دوسری جگہ چلے جائین، مگر آج کے مسلمانون کو کیا کہا جائے گا جو خود اپنے دین
پر عمل نہین کرتے، اور بے عملی و بے ایمانی کی زندگی گذارتے ہین، ان کے لیئے خدا کی زمین مین گنجائش
نہین ہے، کیونکہ وہ مظلوم نہین باغی ہین، اور باغی کے لیئے پناہ کا کوئی سوال نہین،

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے
پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور تمہارے اندر آپس میں مودت و رحمت
کو بنا دیا، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں،

(پ ۲۱ - ع ۶)

یہ دنیا اپنے ذرّے ذرّے میں اپنے پیدا کرنے والے کی بے شمار نشانیاں رکھتی ہے، اس کے ایک ایک آئینے میں رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے دلائل کی کتنی ہی تصویریں رقصاں ہیں، مگر شرط ہے کہ دیکھنے والی نظر میں روشنی ہو، قدرت کی منجملہ آیات کے ازدواجی زندگی اور اس کے مظاہر اسکی دلیل ہیں، جن میں غور کرنے کے بعد انسان اپنے پروردگار کی جناب میں شکر و عبادت کے لیے جھک جاتا ہے۔

یہ میاں بیوی کا رشتہ جنسی زندگی کا علاقہ اور زن و شوئی کی ہمرنگی کیا ہے؟ کس نے دونوں میں محبت والفت کا اتنا شدید داعیہ پیدا کیا اور ایک کو دوسرے کے لیے امن و سکون اور صبر و قرار کا گہوارہ بنایا، باہمی محبت و مودّت کی نازک ترین گھڑی کس ذات کی وجہ سے انسانی زندگی کا خلاصہ قرار پائی؟ اور پھر وہ جسم و روح سے لیکر عواطف و رجحانات تک کے لیے دعوتِ تسکین ثابت ہوئی، اگر کوئی بالادست طاقت کام نہیں کر رہی ہے تو پھر دونوں میں اتنا شدید ربط کہاں سے پیدا ہوا تھا۔ اور محبت و مودّت کی وہ ساعت کیسے بنی، جس میں دنیا کے تمام رشتے ہیچ ہو جاتے ہیں، یہ روز و شب کی باتیں، ہر غور کرنے والے کے لیے دعوتِ توحید ہیں اور ان میں اس کے لیے ظاہری سکون کی طرح دائمی سکون کی دنیا پوشیدہ ہے، اگر وہ چاہے تو اس راہ پر چل کر خدا پرستی کی پرسکون دنیا میں آباد ہو جائے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ
الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور اے نبی کی عورتو! اپنے مکانون مین رہو اور جاہلیۂ اولیٰ کی طرح دکھاتی
ہوئی نہ نکلو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔

(پ ۲۲۔ ع ۱)

یہان امہات المومنینؓ ازواجات مطہرات کو مخاطب کر کے مسلمان عورتون کو چند اصولی و
بنیادی باتین بتائی جا رہی ہین، اور کہا جا رہا ہے کہ جو عورت بھی اسلام مین داخل ہے، یا ہوگی، اسے ان
باتون کی پابندی کرنی پڑے گی، اور جو عورتین اسلام سے آزاد ہین اور دوسرے ادیان وطل
اور دوسرے اصولِ زندگی سے وابستہ ہین وہ جو چاہین کرین، اس بارے مین ان سے کوئی خطاب
نہین ہے،

مسلمان عورتون کی جگہ ان کا وہ گھر ہے جس کی وہ ملکہ ہین، یعنی ان کی ذاتی زندگی ان
تمام ذمّہ داریون سے سبکدوش ہے جو مردون پر عائد ہین، اور جن کی وجہ سے مرد اور عورت مین ا
قائم ہے، ملون، کارخانون، بازارون، کونسلون، اسمبلیون، لڑائیون مین مردون کی ضرورت ہ
عورت کو ان سے کوئی تعلق نہین ہے۔ اگر کسی زمانہ مین عورت نے ان باتون مین حصّہ لیا ہے، ت
سے عورت کی فطرت نہین بدل سکتی اور نہ اصول و قوانین ہی بدلے جا سکتے ہین،

تاریخ اسلام مین بیشمار عورتون نے علم و حکمت کی مسند کو زینت بخشی ہے، بہت سی مقدس
نے امامت و ولایت کے مقامات طے کیے ہین، کتنی مستورات نے سلطنت و حکومت کے فرائض
مردون سے اچھے طریقہ پر انجام دیے ہین، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہین، کہ عورتین اپنی فطرت
آزاد ہو کر دنیا مین نئی مخلوق بن گئی ہین، اور ان کے فطری حقوق متغیر ہو گئے ہین، یہ جو کچھ آج نظر آ

بدروت اور جاہلیت اولیٰ کا مظاہرہ ہے کہ عورت حقوق نسوان کے نام پر بری طرح بگڑ رہی
اری ہے اور مرد اسے بڑھا چڑھا کر معصیت وگنہگاری مین مبتلا کر رہا ہے،

عورت کا کام اپنے گھر مین آرام وسکون سے رہنا اور نماز وروزہ اور زکوٰۃ کے ذریعہ
روحانیت کو بلند کر کے اسلامی گھرانے کو نیکی مین آباد کرنا ہے، گھر کی شہنشاہیت عورت کے لیئے
بت ہے، اسے حقوق کے نام پر مردون کے اس جال مین پھنسنے کی ضرورت نہین، جسے وہ اپنی
نی آسانی اور سہل پسندی کی وجہ سے عورت کے لیئے لگا رہا ہے،

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

تمھارے اموال واولاد ہمارے پاس تمھارے لیئے کوئی قربت پیدا نہین کرسکتے'
مگر وہی شخص قربت حاصل کرسکتا ہے، جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے،

(پ ۲۲ ۔ ع ۱۱)

خدا کی جناب مین مال ودولت، نسل، خاندان، رشتہ اور کنبہ کام نہین دیتا، بلکہ اس کے
یہان اعتقاد وعمل کی استواری اور یقین وکردار کی سازگاری کام آتی ہے، پس اس دنیا مین اگر
کوئی آدمی کھاتا پیتا ہے، خاندان اور کنبہ رکھتا ہے، اولاد کی کثرت سے بہرہ یاب ہے، اور جاہ وحشمت
کی ساری قدرین اس کے لئے حاصل ہین تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہین کہ وہ احکم الحاکمین کی جناب
مین بھی عزت وعظمت کا مستحق ٹھہرے گا، بلکہ اگر اس کے اعمال وخیال مین سازگاری واستواری ہے
تو پھر بارگاہ خداوندی مین اس کے لیئے فوز وفلاح ہے ورنہ نہین،
اس کا یہ مطلب نہین ہے کہ اسلام کے نزدیک دنیا مین جائز روزی کمانا اور اولاد پیدا کرنا

نہین ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان ہی باتون کو اپنی تخلیق کا منشا سمجھ لینا اور اسی خیال وفکر مین گمن رہ کر قدرت کے تمام اوامر ونواہی سے غافل ہوجانا سراسر تباہی وناکامی کا باعث ہے، پس جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مال ودولت اور خاندان ونسل مین دلچسپی لین گے وہ دنیا وآخرت مین کامیاب ہون گے، اور جو لوگ صرف نسل و مال کے غرور مین زندگی ختم کر دین گے وہ فلاح ونجاح تک نہین پہنچ سکین گے،

آج مسلمانون کے پاس نہ مال ودولت اور نسل وخاندان کا غرور ہے اور نہ ہی ایمان وعمل کا سرمایہ ہے اگر اس صورت حال کے خلاف عمل نہ کیا گیا، تو آخرت کی طرح دنیا بھی چلی جائے گی حالانکہ ہمین ایسی زندگی بسر کرنی چاہیے جس مین دنیا وآخرت دونون کی بھلائی ہو،

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ

پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا اپنے بندون مین سے پسندیدہ لوگون کو پھر ان مین سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوگئے، کچھ درمیانی راہ پر چلنے اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیون کی طرف بڑھے یہی بڑا فضل ہے (پ ۲۲ - ع ۱۶)

دنیا مین دین ودیانت کی امانت ان ہی برگزیدہ انسانون کو سپرد کی جاتی ہے جس مین قدرت استعداد وصلاحیت دیکھتی ہے، خدا کے اوامر ونواہی کی وراثت ان ہی قومون اور جماعتون کو دی جاتی ہے، جو صرف اپنے دل ودماغ اور فکر وذہن کے اعتبار سے بہترین افراد واشخاص نہین ہوتی ہین، بلکہ عمل وکردار کے اعتبار سے بھی وہ دنیا مین منتخب ہوتی ہین

ابتدا مین اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی ذمہ داری ایسی ہی قوم کے سر ڈالتا ہے، جو اپنے عمل وفکر

ین یکسانئے روزگار ہوتی ہے، مگر زمانہ گذرنے سے عموماً اس مین تین طبقے کے
وگ پیدا ہو جاتے ہین، (۱) وہ طبقہ جو بے راہ روی اختیار کر کے گمراہی مین پھنس
جاتا ہے، اور مذہب کو پس پشت ڈال کر دنیا مین شتر بے مہار کی سی زندگی گذارتا
ہے، یہ طبقہ بڑا ہی خطرناک اور بڑا ہی مجرم ہوتا ہے۔ (۲) وہ طبقہ جو عمل و فکر کی اس
بلندی پر تو نہین ہوتا، جس پر اسے ہونا چاہیئے، اور جسے کتاب اللہ مقرر کرتی ہے، مگر
اس کے باوجود اس مین دین و دیانت کی باتین پائی جاتی ہین، اور وہ اپنی زندگی کو
کسی نہ کسی درجہ مین دین و ایمان سے وابستہ رکھتا ہے' (۳) وہ طبقہ جو زمانہ کے گذرنے
اور حالات کے بدلنے سے بالکل متاثر نہین ہوتا، بلکہ یقین و عمل اور اعتقاد و کردار مین
دور اوّل کی طرح چستی و چالاکی اور تازگی ظاہر کرتا ہے اور وہ لوگ ہر نیکی کی طرف
دوڑتے ہین گویا یہ ان کا گم شدہ مال ہے، وہ اس اقدام مین ماحول کی سازگاری اور
زمانہ کی بے راہ روی کا مطلق شکوہ نہین کرتے اور نہ حالات کی ناساعدت سے ہراسان
ہوتے ہین، اگر غور کیا جائے تو اللہ کی کتاب قرآن حکیم' اور اس کے دین اسلام
کے بارے مین یہی سنت جاریہ کام کر رہی ہے، اور آج بھی امت اسلامیۃ ان ہی
تین طبقون مین منقسم ہے، اگر تم سے ہو سکے تو سب سے آخری طبقہ کا ساتھ دو۔
اور دنیا مین نیکی پھیلا کر اپنی ذمہ داری کو پورا کرو، اور دنیا مین عزت و آبرو
کی زندگی بسر کرو۔

وَلَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ، وَاِنْ
مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ۔

انسان اپنے لیئے بھلائی کے مانگنے سے نہین اکتاتا ہے، اور اگر اسے برائی چھو بھی دے تو بالکل ناامید و نامراد بن جاتا ہے۔

(پ ۲۶ - ع ۱)

یہ دنیا ہے، یہان سردی بھی ہے گرمی بھی، خشکی بھی ہے تری بھی، مشکل بھی ہے آسانی بھی، آرام بھی ہے، تکلیف بھی، اُجالا بھی ہے اندھیرا بھی، نور بھی ہے، ظلمت بھی، غرض کہ اس عالم کا دوسرا نام مجموعۂ اضداد ہے، جس کا وجود ان ہی اضداد سے قائم ہے، اگر دن ہی دن ہو تو نظام کائنات نہین چل سکتا، اگر رات ہی رات ہو تو زندگی نہین ابھر سکتی، اگر آسانی ہی آسانی ہو تو معیار نہین قائم رہ سکتا، اگر مشکل ہی مشکل ہو تو ربط و ضبط نہین پایا جا سکتا، غرض کہ ایک ہاتھ سے یہان تالی نہین بج سکتی، ایک رُخ سے کام نہین چل سکتا، اور ایک پہلو کسی طرح یہان کی رنگینیون اور بوالعجبیون کو نہین نمایان کر سکتا، کیونکہ یہان تو رات دن کے پہلو ون مین ہزارون نظارے نمایان ہوتے ہین، سردی و گرمی کے رخ جدا جدا لذتین بخشتے ہین، مشکل و آسانی کا تقابل زندگی کی قدرون سے روشناس کراتا ہے۔

پس جب یہ دنیا اور اس کی تمام رنگینیان ضد و تقابل پر مبنی ہین، اور یہان یہ ہنگامۂ وجود اسی تماشائے اضداد کی وجہ سے برپا ہے تو پھر انسان ہمیشہ خیر ہی خیر کی تمنا مین کیون مرا جاتا ہے، اور احوال و ظروف کے تغیر و انقلاب کی زد سے کیون دور بھاگتا ہے، کیون ایسا نہین سوچتا کہ جب اس دنیائے انقلاب و تغیر مین رہنا ہے، اور عالمِ اضداد سے گذرنا ہے تو اس کی طرح وہ بھی سرد و گرم حالات کا مقابلہ کرے اور اچھے دنون کی خوشی مین اگر برے دنون کی ترشی و تلخی

آجائے تو یاس و قنوط اور نامرادی و ناامیدی کے دھارے میں بہ نہ جائے اور اس حقیقت کو بھول نہ جائے کہ نظامِ قدرت اسی طرح جاری وساری ہے، اور اس سے نکھر کر کے قنوط و یاس کا دامن تھامنا بہت ہی برا ہے، بلکہ لاکھوں سال سے آباد اور کروڑوں سال تک رہنے والی دنیا کی طرح ان حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے،

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ

وہی ذات ہے جس نے مومنوں کے دل میں سکینہ نازل فرمایا تاکہ وہ اپنے ایمان میں اور زیادہ بڑھ جائیں۔ (پ ۲۶ - ع ۹)

امن وسکون خدا کی بہت بڑی دولت ہے، جس شخص یا جس قوم کو یہ دولت مل جاتی ہے اسے اس دنیا میں بہت کچھ کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اور جو افراد یا جو قومیں اس نعمت سے محروم ہو جاتی ہیں اور ان کی زندگی پریشانی و بےچینی اور خوف وہراس میں گذرتی رہتی ہے وہ اس دنیا میں ناکام زندگی بسر کر کے ناکام موت مر جاتی ہیں، پس انسانی زندگی کی فلاح و نجاح اور اقبال و ترقی کے لیئے امن وسکون ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، جب تک اس کی جڑیں استوار نہ ہوں گی زندگی کا کاروان کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا، امن وسکون کے نتیجہ میں اصلاح حال کا ظہور ہوتا ہے، اور جو قوم جن نظریات وخیالات کی حامل ہوتی ہے، اس میں ویسا ہی اصلاحی کارنامہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دنیادار قومیں امن وسکون پا کر دنیاوی اقبالمندی کی وارث ٹھہرتی ہیں اور بعض روحانیت پسند ایمان دار قومیں امن وسکون کی گھڑیوں

میں وہ امانت و دیانت اور ایمان و احسان کے انتہائی معیار پر پہنچ جاتی ہے مسلمان قوم دنیا میں وہ قوم ہے جس کے یہاں دنیا داری و دینداری میں فرق نہیں ہے اس لئے جب اسے امن و سکون کی دولت مل جاتی ہے تو پھر وہ ترقی کی منزلیں نہایت تیزی کے ساتھ طے کرتی ہے، اور اخلاق و دیانت کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتی ہے، مگر یاد رہے کہ امن و سکون سے وہی قوم فلاح و نجاح پا سکتی ہے جس کے اندر پہلے سے صلاحیت و قابلیت کا مادہ ہو، ورنہ امن کے زمانہ میں وہ اور وحشی ہو جائے گی، اور انسانیت و شرافت کی مٹی پلید کر کے رکھ دے گی، اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمان امن و سکون کی فضا پیدا کریں اور آگے بڑھیں۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا

اور وہی ذات ہے جس نے اہل مکہ پر تمہاری فتح یابی کے بعد تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔ (پ ۲۶ ع ۱۱)

امن و امان کی زندگی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، پھر قوموں، ملتوں اور نظریوں کی لڑائی سے مامون و محفوظ رہنا تو بہت ہی بڑی نعمت ہے، اور اس کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے، جب کہ کسی قوم کو کسی بڑی طاقت یا برابر کی طاقت کے ساتھ ٹکر نہ لینی پڑے اور زندگی کا بیڑا سلامتی کے ساتھ پار ہو جائے، دیکھو تو آج جب کہ ساری کائنات

بہت دلکش بیان ہے، امن کی نعمت کس قدر اہمیت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے اور امن و امان کی تلاش میں انسانیت ستو بار ہو کر نکل پڑی ہے مگر کہیں بھی امن چین کا نشان نہیں تھا۔

اللہ اس احسان مندی کو نمایاں فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا ہی کی ذات ہے جس نے ایک وقت انسانوں کو ایک بہت بڑے خون خرابے سے بچا لیا، ورنہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ انسان کس گھاٹ اترا جاتا۔ مکہ کی فتح کا معرکہ کس قدر عظیم الشان معرکہ تھا، دنیا کے آخری نظام انسانیت کے ماننے والوں پر فتح دی گئی تھی، اس نظام کے حامل اپنے ظالموں پر پوری طرح قابض و دخیل ہو گئے تھے اگر اس موقع پر وہ دو دو ہاتھ چل جاتے تو کیا عالم ہوتا، اور دنیا کا موجودہ نقشہ کس طرح بنایا جاتا، لیکن خدا کی ذات تھی جس نے اس نازک وقت میں امن و امان کی فضا قائم فرما دی۔ یہ خدا ہی کی توفیق کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمۃ للعالمینی ظاہر فرما کر امن و امان قائم فرمایا۔

پس آج کے امن و امان کے طلب گارو! تم بھی خدا کی طرف رجوع کرو، وہی امن و امان کی دولت عطا فرما سکتا ہے، اور اس کے فضل و کرم سے تم مامون و بے خطر زندگی گذار سکتے ہو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لئے تم لوگ اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر

رحم کیا جائے۔ (پ ۲۶ - ع ۱۳)

اسلام دنیا کی عالمگیر انسانی برادری میں وہ ذہن وشعور پیدا کرنے آیا ہے جس میں اجتماعی زندگی کی بلندیاں پوری آب وتاب کے ساتھ اُجاگر ہو جائیں اسلام کی دعوت کی بنیاد انسانی برادری کی ہمہ گیری پر ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے، عام انسانی نقطۂ نظر سے کہتا ہے۔ اُس کی تعلیمات میں نسل و خاندان کی حدبندیاں، ملک و قوم کی خلیجیں اور جغرافیائی آب وہوا کی دشواریاں کوئی درجہ نہیں رکھتیں، اسلام کا منشا یہی ہے کہ پوری انسانیت فلاح ونجاح کی آغوش میں تربیت پاتی رہے اور اُس کے عملی اور عقلی قویٰ اسلامی شعور واحساس سے مالامال ہوتے رہیں، تاکہ اس کی ہر حرکت میں امن وسلامتی اور بھائی چارگی کی نمود ہو، اسلام کا کلمۂ جامعہ اپنے دامن میں ساری انسانیت کی وسعت رکھتا ہے اور جو پروگرام پیش کرتا ہے تاریخی ادوار اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر پیش کرتا ہے،

وہ کہتا ہے کہ پہلے یہ عقیدہ پیدا کرو کہ سارے انسان بھائی بھائی ہیں اور پھر اسی عقیدہ ویقین کو عملی شکل میں اجاگر کرو، یعنی اپنے بھائی کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ، اور خدمت انسانی کا ابتدائی مرحلہ اصلاحِ حال کی کوشش ہے، وہ ذہنی اصلاح ہو یا عملی اور سیاسی اصلاح ہو، اصلاح میں زندگی کے ہر ہر پہلو کی اصلاح آگئی، پس ایک مسلمان کا مقام انسانیت کے خادم ہونے کا ہے، وہ ایک معمولی درجہ کا عامی آدمی ہو یا امیر المومنین اور خلیفہ ہو، اسے اپنے کو خادم ہی کی حیثیت سے پیش کرنا ہو گا اور انسانی اصلاح کے لئے ہمہ تن خدمت بنا ہو گا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ

اے مومنو! تمھارے میں کوئی جماعت کسی دوسری جماعت کا ٹھٹھا نہ اڑائے ہو سکتا ہے وہ قوم اس قوم سے اچھی ہو، اور نہ عورتیں عورتوں کا ٹھٹھا اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان عورتوں سے بہتر ہوں۔

(پ ۲۶ ۔ ع ۱۴)

اصلاح بین الناس ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الدین النصیحۃ دین تو خیر خواہی اور انسانی اصلاح کا نام ہے۔ اسی لئے اسلامی معاشرہ میں اگر کہیں فساد پھوٹے تو اور شر و فساد برپا کرنے کے بجائے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں نرمی اور آسانی ہو، تلخ نوائی نہ ہو، سمجھانے بجھانے کا لہجہ نرم و نازک ہو، باتیں پیار اور محبت کی ہوں اور طریقۂ کار نہایت ہی دلنشین ہو،

پس اس بات کے پیش نظر ہر قسم کی اصلاح حال کے لیے نہایت ہی ذمہ دارانہ روش کی ضرورت ہے، یہ کام طعن و تشنیع کرنے اور برا بھلا کہنے سے نہیں ہو گا، بلکہ نرمی کے ساتھ سمجھانا بجھانا چاہیے، کسی کام پر کسی قوم یا جماعت کا مذاق اُڑانا، اس پر آوازے کسنا، بولی بولنا، تعریض کرنا، آنکھ مارنا اور ایسی حرکت کرنا جو بجائے اصلاح حال کے مزید فساد کا باعث ہو، ناجائز ہے، کیونکہ ان باتوں سے اصلاح نہیں ہو گی، بلکہ ضد پیدا ہو جائے گی، اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو کر عقل و خرد کو سوچنے سمجھنے سے بیگانہ کر دے گا۔

مزید بر ان کسی جماعت کو کسی حالت مین دیکھ کر اس کا مذاق کرنا اور اپنے کو اس سے بہتر سمجھنا نہایت نا عاقبت اندیشی اور بے وقوفی کی بات ہے کیا معلوم حالات کے بدلنے مین کیا دیر لگے، اور صورتِ حال کی تبدیلی کا کیا نتیجہ نکلے؟ ہو سکتا ہے کہ ہنسنے والون کی زندگی خود ہنسے جانے کے قابل ہو جائے، اور بولی بولنے والے اس درجہ گر جائین کہ دوسرے لوگ ان پر آوازے کسنے لگین، پس مسلمانون کی باہمی زندگی کو ہمیشہ سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور کسی کی حالت پر ہنسی مذاق کا رویہ نہین اختیار کرنا چاہیئے، اُن مُلّاؤن کو کون سمجھا سکتا ہے جو صرف اپنے مقابل کا مذاق ہی نہین اڑاتے بلکہ اس کی توہین و تذلیل کے لیئے ہر حرکت کو جائز سمجھتے ہین، حتیٰ کہ کفر بازی بھی ان کے نزدیک جائز ہوتی ہے،

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار! ہمین بخشدے، اور ہمارے ان بھائیون کو بخشدے، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہین، اور ہمارے دلون مین ان لوگون کے لئے دشمنی نہ رکھ، جو ایمان لا چکے ہین، اے ہمارے پروردگار! بیشک تو رؤف و رحیم ہے۔ (پ ۲۸ ع ۴)

یہان ذکر ہو رہا ہے کہ مال غنیمت کن مسلمانون کو ملنا چاہئیے، اوپر کی آیتون مین ان کے مستحقین کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، پھر اس کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ بعد مین آنے والون کو بھی اس مین سے حصہ ملے گا جو اپنے اگلون کے باغی نہین ہین، اور ان کے بارے مین برے خیالات نہین رکھتے، بلکہ تمام مسلمانون کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرتے ہین، جو ان سے پہلے عہد رسالت کے بعد گذرے ہین، ساتھ ہی یہ دعا فرماتے ہین کہ اے خدا! ایمان والون کے لئے ہمارے دل مین حسد و عداوت اور دشمنی نہ پیدا فرما کہ ہم مسلمانون کو برا بھلا کہین اور اپنے دینی بھائیون کے بارے مین بری زبان کھولین، جو مسلمان گزشتہ اور موجودہ مسلمانون کے متعلق اس قسم کے خیالات رکھتے ہین، وہ مسلمان اسلام کی بین الاقوامی دولت سے حصہ نہ پا سکین گے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا ہے، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر مین ہے، کہ مسلمانون مین اگر کوئی اس گروہ مین ہو، جو سلف صالحین اور صحابۂ کرامؓ کو برا بھلا کہے تو اسے مسلمانون کے مال غنیمت سے کوئی حصہ نہین دیا جائے گا۔

مسلمانو! غور کرو کہ مسلمانون کو برا بھلا کہنے والون کی محرومی کس درجہ بڑھی ہوئی ہے، اور ایسے لوگون کو دنیا مین بھی اسلامی دولت سے کوئی حصہ نہین ہے، پھر آخرت مین ان کا کیا حال ہوگا، خیر اسی مین ہے کہ کسی کلمہ گو کو دینی حیثیت سے برا بھلا نہ کہو اور کافر و فاسق نہ بناؤ، ہان وعظ و نصیحت اور مواعظہ و ذکری کے طور پر لوگون کو نصیحت کیا کرو، مسلمانون کو کافر بنانا بہت ہی خطرناک گناہ ہے، اس سے دنیا و آخرت کی خرابی ہوتی ہے،

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

قیامت کے دن تمہیں تمہاری قرابتین اور تمہاری اولاد نفع نہین دین گی، وہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھنے والا ہے، (پ ۲۸-ع ۶)

اسلام کا قانونِ مجازات عدل و انصاف پر مبنی ہے، اور ہر انسان اپ
کیئے کو دیکھے گا، نہ ایک کی نیکی دوسرے کے کام آئے گی اور نہ کسی کی برائی دوسر
لیئے مضر ہوگی، بلکہ ہر شخص اپنے عمل کی جزا پائے گا، اسلام کے کسی قانون مین نسل
ذات کا عمل دخل نہین ہے، اور نسل پرستی کی لعنت سے اس کا ہر اصول پاک ہے،
جس طرح دنیاوی قوانین مین نسل و قرابت کا پاس نہین ہے، اسی طرح اخروی
مین اس کا کوئی اعتبار نہین ہے، شفاعت و سفارش برحق ہے اور خداوندی رحم
برکت کا فیض مسلّم ہے، اگر یہ باتین نہ ہون تو پھر انسانیت کا بیڑا پار ہونا مشکل ہے، گ
جہان تک اصول و قانون کا تعلق ہے، وہ اپنی جگہ پہ اٹل ہے، اور اس مین کسی کے
کوئی لچک نہین ہے، اسی لیئے سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگ
حضرت فاطمہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہ

اے فاطمہ! عمل کرو عمل کرو! تمہارا عمل ہی تمہارے کام آئے گا، یہ نہ سمجھنا
کہ محمد کی بیٹی بلا پرسشِ اعمال اور بغیر حساب و کتاب کے جنت مین داخل
ہو جائے گی!!

غور کرو جب جنتی عورتوں کی سردار کے بارے میں سردار دو عالم کا یہ
فرمان ہے تو پھر دوسرے کو اس سے آزادی کہاں مل سکتی ہیں، خوب یاد رکھو کہ کل
قیامت میں یہ تمہارے آج کے کھاتے پیتے دن نہ ہوں گے، اور تم ان میں اپنا اثر ظاہر
نہ کر سکو گے، بلکہ قیامت کا وہ دن ہو گا جو سب کے لیے اجنبی ہو گا، اور کسی سے اس کا یارانہ
نہ ہو گا، ایسے سخت اور اجنبی دن کے لیے جو کچھ کرنا ہے کر لو، ورنہ کف افسوس ملنے
کے علاوہ کچھ نہ ہو گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم
مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتا دوں جو تم کو
دردناک عذاب سے بچا لے؟ تم لوگ اللہ پر اور اس کے
رسول پر ایمان لاؤ، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان
سے جہاد کرو، یہ چیز تمہارے لیے بہت بہتر ہے، اگر تم لوگ
جانتے ہو۔ (پ ۲۸ ع ۱۰)

خسران و نقصان کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے، بلکہ حقیقی زندگی تو وہی ہے،
جس میں زیان و خسران کا کوئی سوال ہی نہیں، اس لیے حیات دنیا میں زیادہ سے
زیادہ نفع بخش حالات کے فراہم کی کوشش کرنا ہر زندہ انسان کا فرض ہے تاکہ

حیات آخرت میں فائدہ مندی اور نفع اندوزی ہو سکے اور انسان اپنی زندگی کو
طریقوں پر کامیاب کر سکے،

قرآن حکیم نے حیاتِ انسانی کو فائدہ پہونچانے اور اسے ہر قسم کے نقصان
خسران سے آگاہ کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ اس لیے کہ وہ انسانی زندگی کے سعادت
کی تعلیم دیتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ انسان قبول کرے یا نہ کرے، اور اس پر عمل
کرکے اپنے کو نقصان سے محفوظ رکھے یا نہ رکھے۔ قرآن حکیم کے نزدیک عقبیٰ کی کامیابی
اس بات میں ہے کہ انسان عذاب سے نجات پائے اور آخرت کی دائمی زندگی کو
خوشی و مسرت کے ساتھ گذارے، اور یہ حیات دنیا حیات عقبیٰ ہی کے لیے برپا کی گئی
ہے۔ لہٰذا دونوں زندگی کے لیے بہترین تجارت اور نفع بخش سودا یہی ہے کہ انسانی گروہ اللہ
اور رسول پر ایمان لائے اور مال و دولت بلکہ جان تک کو اللہ کی راہ میں وقف کر دے
جب تک انسان ایمان و دیانت کے اس بلند مقام پر نہ ہوگا، وہ حقیقی نفع کا سزاوار
نہیں ہو سکتا، اور اسے کامیاب انسان نہیں کہا جا سکتا،

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، تو اللہ اس کے لیے چھٹکارے
کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے اس طور سے روزی دیتا
ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے، کہ اس طرح روزی ملنے
والی ہے۔ (پ ۲۸۔ ع ۱۷)

تقویٰ اور خدا ترسی اس دنیا کے لئے بھی بڑی اچھی چیز ہے اور آخرت کے لئے بھی سرمایۂ فوز و نجاح اور رتاج کامیابی و کامرانی ہے، قرآن حکیم تقویٰ کا دنیاوی فائدہ بیان فرمارہا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں خدا ترسی کی زندگی گذار کر امن و صلاح، سلامت، اخلاق و روحانیت، دین و دیانت اور قابلیت و صلاحیت کی راہ پر چلتے ہیں، وہ دنیا کی بنیادی ضروریات میں پرسکون و پرامن ہوتے ہیں، اس دنیا میں کامیاب زندگی کے لئے اگر غور کرو تو دو ہی بنیادی چیزیں ہیں، ایک امن اور دوسری روزی، ان دونوں حقیقتوں کے ماتحت ساری حقیقتیں آجاتی ہیں، اور دوسری تمام ضروریات ان ہی دونوں کی فروعات ہیں،

قرآن حکیم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس بات کی گارنٹی دیتا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں خدا ترسی، صلح و سلامتی کی راہ پر چلتے ہیں ان کے لئے زندگی کے ہر نازک موڑ پر فلاح و نجاح کی راہ پیدا ہو جاتی ہے، اور ہر مومن و متقی ہر مصیبت سے خلاصی کی راہ پا جاتا ہے، زندگی کا کوئی ایسا کٹھن مقام نہیں آتا جہاں وہ اپنے خدا کے تعاون و توفیق سے محروم ہو اور اسے نجات کی کوئی صورت نہ دکھائی دیتی ہو،

دوسری چیز یہ ہے کہ متقی و خدا ترس انسان وسائل رزق اور معاشی معاملات میں کبھی محرومی و حرمان نصیبی کا منہ نہیں دیکھتا، بلکہ وہ ایسے راستوں سے روزی حاصل کرتا ہے، کہ خود اسے گمان تک نہیں ہوتا، کہ میرے لئے ان وسائل سے روزی کا سامان ہوگا اور میرے لئے میرا خدا اس طرح غیب سے روزی کا سامان فراہم کر دے گا، پس اے مسلمانو! اگر تم آج کسی بلا میں گرفتار ہو اور اس سے نجات کی راہ تمہارے سامنے مسدود ہے اور ساتھ ہی وسائل رزق سے بھی تم محروم ہو اور جینے کی راہیں تم پر بند ہیں تو تقویٰ

اور خدا ترسی کی زندگی گزارو اور اپنے کو اس قابل بناؤ کہ یہ دونون بلائین دور ہو جائین

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ، نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،

جس دن کہ اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگون کو جو ان کے ساتھ ہین رسوا نہین کرے گا، اُن کا نور اُن کے آگے اور داہین طرف چلے گا، وہ کہین گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے نور کو مکمل فرمادے اور ہمین بخشدے، تو ہر شئے پر قادر ہے،

(پ ۲۸ ع ۲)

دنیا ہو یا آخرت حق پرست وحق شناس کہین رسوا نہ ہون گے، اور وہ کسی بھی حال مین ہون، حق شعاری وحقانیت نوازی کی برکت سے انھین ذرہ برابر ناکامی و رسوائی لاحق نہ ہوگی، تم اس دنیا مین دیکھ لو کہ جو لوگ اس ذلیل و رسوا فضا مین بھی سچون کی زندگیان رکھتے ہین، ان کی زندگیان کس درجہ عزت واحترام اور امن وسکون سے گذرتی ہین، ان کے نیک اعمال کے نتائج ان کے لئے نیک حالات پیدا کرتے ہین اور ساتھ ہی اُن کو برے حالات سے بچاتے ہین، اسی طرح کل قیامت کی نفسانفسی مین نیکون اور خداپرستون کو راحت ہوگی، ان کے اعمال و وظائف امن وسکون کے انوار بن کر نمودار ہون گے اور وہ ان کی روشنی مین نہایت اطمینان سے فلاح ونجات کی منزلین طے کرتے ہوئے دائمی نعیم کے ابدی مقام پر پہونچ جائین گے۔

تمت

(قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ بمبئی نمبر ۳)